جلد : 13
شمارہ : 12

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران)
اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ سورۃ القمر)

ربیع الثانی : 1441ھ
دسمبر : 2019ء

ISSN : 2305-6231

ماھنامہ

# حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت
- ڈاکٹر محمد سعد صدیقی
- حافظ مختار احمد گوندل
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت : مفتی عطاء الرحمٰن
تزئین و گرافکس : ثاقب نذر

قانونی مشاورت
محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ
چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

| اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون بیس ہزار روپے یکمشت | سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت اندورنِ ملک 800 روپے | معمول کا شمارہ 50 روپے |
|---|---|---|

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ
لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر
پاکستان پوسٹ کوڈ 35200
047-7630861-7630863

Web site:
www.hikmatbaalgha.com
www.hamditabligh.net
Email: hikmatbaalgha@yahoo.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی
طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

# مشمولات


| | | | |
|---|---|---|---|
| قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات | 1 | | 3 |
| بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات | 2 | | 5 |
| حرفِ آرزو | 3 | انجینئر مختار فاروقی | 6 |
| ڈاروِن کا نظریۂ ارتقاء: ایک خطرناک دھوکہ (3) | 4 | ڈاکٹر محمد سرشار خان | 9 |
| مدرسہ ڈسکورسز کے حامی.....تجدد کو فروغ..... | 5 | ڈاکٹر محمد امین | 16 |
| ترکی خلافت عثمانیہ کی راہ پر | 6 | مولانا محمد نفیس خان ندوی | 25 |
| سرکاری سکولوں کے تعلیمی نصاب کا ''ارتقاء'' | 7 | بنت وقار الحسن ہمدانی | 38 |
| معاشرتی اخلاقی برائیاں اور ان کا علاج | 8 | محمد منظور انور | 43 |
| تبصرہ وتعارف کتب | 9 | | 48 |
| خصوصی اشاعت پر اہل علم کے تاثرات | 10 | | 52 |
| آئینۂ حکمت بالغہ 2019ء | 11 | | 62 |


ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

# قرآن مجید

کے ساتھ

# چند لمحات

(02) سورۃ البقرۃ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(آیات 72-75)

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا

اور (اے بنی اسرائیل!)

جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو پھر اس میں باہم جھگڑنے لگے

وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾

لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا

تو ہم نے کہا اس (گائے) کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى

اس طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے

وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً

گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ

اور پتھر تو بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ

اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور اللہ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ

(مومنو!) کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے

(دین کے) قائل ہو جائیں گے

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

(حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلام اللہ (یعنی تورات) کو سنتے ہیں

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے ہیں

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمِ

# قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

زَارَ رَجُلٌ أَخًا لَهٗ فِی قَرْیَةٍ،

ایک آدمی اپنے کسی بھائی سے ملاقات کے لیے گیا جو دوسری بستی میں رہتا تھا

فَأَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ مَلَكًا عَلٰی مَدْرَجَتِهٖ،

اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو بٹھا دیا

فَقَالَ: أَیْنَ تُرِیدُ؟ قَالَ: أَخًا لِی فِی هٰذِهِ الْقَرْیَةِ،

اس فرشتہ نے اس آدمی سے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

آدمی نے کہا: اس بستی میں اپنے ایک بھائی سے ملاقات کرنی ہے

فَقَالَ: هَلْ لَهٗ عَلَیْكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟

فرشتے نے پوچھا: کیا اس کا تجھ پر کوئی احسان ہے جس کی تم دیکھ بھال کرتے ہو؟

قَالَ: لَا، اِنِّی أُحِبُّهٗ فِی اللّٰهِ،

اس نے کہا: نہیں، میں تو اس سے صرف اللہ کی خاطر محبت کرتا ہوں

قَالَ: فَاِنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكَ، أَنَّ اللّٰهَ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهٗ

فرشتے نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ نے تیری طرف (یہ پیغام دے کر) بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے جیسے تم اس سے (اللہ کی خاطر) محبت کرتے ہو

(مسلم، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

الجَامِعُ الصَّغِیر فی احادیث البشیر والنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ

؎ زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

# حرفِ آرزُو

انجینئر مختار فاروقی

## 1 اللہ کا شکر ہے

اس شمارے کی اشاعت کے ساتھ اس جریدہ 'حکمت بالغہ' کی اشاعت کے 13 سال مکمل ہو رہے ہیں، 13 سال کا عرصہ قومی زندگی میں اور اجتماعی حیثیت سے زیادہ طویل عرصہ نہیں ہے تاہم یہ قرآن اکیڈمی جھنگ اور انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ کا ادارہ، کہ 'حکمت بالغہ' کی اشاعت کا بارگراں ان کے ناتواں کاندھوں پر ہے، کے لیے کمر توڑ اور اعصاب شکن کام ہے۔

یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور توفیق ہے کہ وہ حوصلہ دیتا ہے اور بروقت ناگزیر ضروری وسائل عطا فرماتا ہے کہ 'گاڑی' چل رہی ہے۔ اس عنایت پر اس کا جتنا شکر ادا کیا جائے اتنا ہی کم ہے کہ 'حکمت بالغہ' گزشتہ 13 سال سے بلاتعطل باقاعدگی سے اور بروقت شائع ہو رہا ہے اور تشکیل وطباعت کے مراحل سے گزر کر ہر انگریزی ماہ کے آخری WORKING DAY کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے اور یہ ربّ دو جہاں کا فضل ہے کہ اگلے ماہ کے پہلے یا دوسرے کام کے دن کو قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے۔ فللّٰہ الحمد والمنّۃ۔

## 2 ماہ نومبر 2019ء کی خصوصی اشاعت

'حکمت بالغہ' کے لیے باعث عزت امور میں سے ایک بات یہ ہے کہ حسب روایت نومبر 2019ء کی خصوصی اشاعت بعنوان ''ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی''

کا اہتمام کیا گیا اور یہ اشاعت تمام خصوصی اشاعتوں میں سب سے زیادہ ضخیم بن گئی اور اس کے اشاعتی مواد (CONTENTS) میں 'اقبال شناسی' کے عملی تقاضے بھی تبعاً نوکِ قلم پر آ گئے کہ عقلاً و نقلاً و اخلاقاً یہی علامہ اقبال کے مداحین، تمام اقبال شناس قدآور شخصیات، اقبال کے نام پر دنیا میں اعلیٰ مقام وعزت پانے والوں اور اقبال سے ہمدردی رکھنے والے قارئین کا فرض ہے کہ وہ 1930ء کے خطبہ الٰہ آباد میں مذکور 'تقدیر مبرم' کے بیانئے پر 1947ء میں 14 اگست بمطابق 27 رمضان المبارک 1366ھ (شب قدر، شب نزولِ قرآن) کو معرضِ وجود میں آنے والے ملک پاکستان کو اقبال کے افکار (دوقومی نظریہ اور نظریۂ خودی) کے مطابق عملاً ڈھال کر دکھا دیں۔

علامہ اقبال کو پاکستان میں ہی اپنا کھویا ہوا مقام دلانے کیلئے شعوری کوششوں سے آغاز کر کے پاکستان میں "RECONSTRUCTION" کے عمل کو آگے بڑھانے، ماضی کے ظالم مسلمان بادشاہوں اور منحوس صہیونی مغربی استعمار کے ناپاک اثرات سے پاک کرنے اور عصر حاضر کے معیارات کے مطابق خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا عملی نمونہ بنا کر دکھانے تک کا کام سامنے ہے۔

اس بیانیے کے کئی تقاضوں میں سے ایک تقاضا مسلمانانِ پاکستان کو ہی مصور و مفکرِ پاکستان سے متعارف کرانے کا کام ہے۔ کاش ہم علامہ اقبال کے دیے ہوئے اس ملک میں 'عیش' کرنے والے اقبال کے شیدائی اس ملک کے نظامِ تعلیم، بیوروکریسی، افواج، قانون، معیشت، سیاست اور سماج کو افکارِ اقبال کے مطابق ڈھالنے کا قرض اور فرض بھی ادا کرنے کی کوئی سبیل نکال سکیں۔ فبینوا و توجروا

## 3 خطبہ الٰہ آباد 1930ء۔اب 2030ء تک

پاکستان کا کونسا ادارہ ہے یا علامہ اقبال کا مداحوں کا کونسا فورم ہے جو خطبہ الٰہ آباد 1930ء کے سو سال کی تکمیل تک کا میزانیہ نفع ونقصان بنا کر قوم کو بتا سکے کہ ہم سو سال بعد، دورِ ملوکیت میں اسلامی افکار پر پڑے ہوئے جاگیرداری اور برادری ازم کے پردے ہٹا کر پاکستان میں اسلام کی حقیقی تعلیمات کا کیا نقشہ پیش کر سکے ہیں؟ ہمارا نظامِ تعلیم، ہمارا میڈیا، ہمارے اخبارات، ہمارے مشاغل، ہمارے کھیل، ہمارے رہنما، ہماری فلمیں، ڈرامے کیا رنگ پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے ELITE طبقہ کے O لیول اور A لیول کے اداروں میں ڈانس کی تعلیم اور مغربی

کلچر کا فروغ اس ملک کی جڑیں کاٹنے کے مترادف ہے۔ شہر اقبال میں ڈانس سکول کا اجراء، فیشن شو کا انعقاد مقامِ عبرت ہے۔ علامہ اقبال سے متعلق کئی سالوں سے اپریل اور نومبر میں کوئی حکومتی سربراہ کسی تقریب میں نہیں آیا۔ تعلیمی نصاب سے علامہ اقبال خارج، سرکاری تعطیلات سے علامہ اقبال کا نام خارج، علامہ اقبال کے دیے گئے اسلامی ریاست کے لیے نام 'نظام خلافت' کی بجائے ہم نے کبھی اسلامی انقلاب، کبھی نظامِ مصطفےٰ ﷺ اور اب ریاست مدینہ کا نام لیا ہے، یہ رہنمائی اور انگلی پکڑ کر ہمیں کون چلا رہا ہے؟

یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ ماضی میں بھی جس جس نے پاکستان اور اس کے مقصد وجود، دوقومی نظریے کی بنیاد پر بننے والے اس ملک کو جاگیرداری اور برادری ازم سے پاک نظام ___ نظامِ خلافت سے دور کرنے کی کوشش کی ہے وہ سب اپنے 'انجام' کو پہنچ چکے جس نے علامہ اقبال کی 9 نومبر کی چھٹی ختم کی اور اب جو بھی فکر اقبال سے روگردانی کرے گا وہ سب اپنے بُرے انجام کو پہنچیں گے۔ اس ملک کے ساتھ باقی وہ رہے گا جو علامہ اقبال کے افکار (قرآن کی روشنی میں دیا ہوا علامہ اقبال کا فارسی کلام اسرار خودی، رموز بے خودی وغیرہ) کے فروغ کے لیے کام کرے گا وہ اس ملک کے ساتھ باقی رہے گا اور جو اس کے خلاف کام کرے گا وہ نشانِ عبرت بن جائے گا۔ علامہ اقبال کا نظریۂ خودی اور تعمیر خودی بذریعہ قرآن ہی اس ملک کے باسیوں کو ایک نیا جذبہ اور ولولہ دے سکتا ہے جس کی طرف رجوع ہی ہمارے نام علامہ اقبال کا پیغام ہے اور وقت کی ضرورت ہے اور یہی اقبال شناس حضرات کے کرنے کا کام ہے۔

اقبال کے مداحوں کی کمی نہیں، ابھی پرانی نسل کے لوگ زندہ ہیں۔ کلام اقبال سے متعلق ہر محلے ہر گلی کی سطح پر اُردو کلام پڑھنے، مجالس اور محافل منعقد کرنے، انعامی مقابلے کرانے کی ضرورت ہے۔ جیسے ہمارے معاشرے میں مسلمان دینی گھرانے اپنے بچوں کو گھر پر قرآن پڑھانے اور دینی معلومات دینے کیلئے استاد (TUTOR) کا بندوبست کرتے ہیں اسی طرح اقبال کے مداحوں اور نظریۂ پاکستان کے قدردانوں کو کلامِ اقبال کی تعلیمات کا آغاز بھی نچلی سطح پر اپنے گھر کے اندر سے کرنا چاہیے۔ حکومتی ایوانوں میں یہ آواز کب پہنچے گی اس کا کوئی ROAD MAP نہیں دیا جاسکتا سوائے اس ایک جملے کہ شاید عالمی امریکی غلبے کے زوال کے بعد۔

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْز (اور یہ کام میرے اللہ کے لیے کچھ بھی بھاری نہیں ہے)

# ڈاروِن کا نظریۂ ارتقاء: ایک خطرناک دھوکہ

3

ڈاکٹر محمد سرشار خان
(بشکریہ ماہنامہ میثاق لاہور، جولائی 2019ء)

## نبراسکا کا آدمی

''امریکن نیچرل ہسٹری'' کے ایڈیٹر ہنری فیر فیلڈ اوسبرن نے 1922ء میں ایک داڑھ کا دانت دریافت کرنے کا دعویٰ کیا جس کے خدوخال عموماً آدمی اور بندر سے ملتے تھے۔ اس پر تحقیق شروع ہوئی اور اس دانت کو اس کے بقول آدمی سے قریب ترنسل (Pithecanthropus Erectus) کا دانت قرار دے دیا گیا۔ نبراسکا کے علاقے سے ملنے کی بنا پر اسے ''نبراسکا کا آدمی'' کا نام دے دیا گیا۔ اس ایک دانت کی بنیاد پر نہ صرف پورے آدمی کے جسم کی تصویر کشی کی گئی بلکہ اس کی بیوی بچے بھی ساتھ کھڑے دکھا دیے گئے۔ 1927ء میں اسی ڈھانچے کے دوسرے حصے بھی مل گئے جس سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ کسی انسان یا بندر کی بجائے ایک ناپید امریکی سور کا دانت تھا۔

دنیا میں اب تک دریافت ہوئے فاسلز یا تو بندروں کے ہیں یا انسانوں کے۔ کوئی درمیانی کڑی جو یہ ثابت کر سکے کہ انسان بندروں سے ارتقا پذیر ہوئے، اب بھی مفقود ہے۔ جہاں تک ان کھوپڑیوں کے اوپر تصوراتی انسانی یا نیم انسانی شکل وصورت بنانے کا تعلق ہے تو یہ ماہرین ارتقاء کی بے جا ضد کا مصورانہ اظہار ہے۔ کسی بھی کھوپڑی پر موٹے پتلے ہونٹ، چپٹی تیکھی

ناک اور دیگر نقوش بنائے جاسکتے ہیں۔ ارتقائی مصور کسی بھی بندر یا انسان کی کھوپڑی پر ایک عظیم فلسفی کے نقش ونگار یا کسی چمپنزی کے خدوخال چسپاں کر سکتے ہیں اور انہیں دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ استعمال کر کے تمام انسانوں پر ٹھونس سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے اندھے عقیدے سے ہٹ کر کبھی نہیں مان سکتے کہ یہ سب کچھ خود بخود اتفاق سے وجود میں نہیں آیا بلکہ اسے کسی عظیم خالق نے کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔ الٹا وہ مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ڈارون کے نظریے کو محض اس لیے نہیں مان رہے کہ اس صورت میں انہیں خدا کے وجود سے انکار کرنا پڑتا ہے۔

## ارتقاپذیر انسان کے لیے چوپایہ ہونا بہتر تھا یا دوپایہ؟

قدرتی انتخاب (Natural Selection) کے حوالے سے Survival of the Fittest کا اصول دیکھا جائے تو ابتدائی انسان کے لیے چار پاؤں پر چلنا زیادہ فائدہ مند تھا۔ اس کے لمبے بازو (اگلی ٹانگیں) درختوں پر چڑھنے اور ایک درخت سے دوسرے درخت تک چھلانگ لگانے کے لیے زیادہ موزوں ہوتے۔ دو پاؤں ہونے کی صورت میں تو اسے ایک درخت سے دوسرے درخت تک پہنچنے کے لیے درخت سے اتر کر دوسرے درخت پر چڑھنا پڑتا جو نسبتاً مشکل اور خطرناک ہوتا۔ پھر درختوں پر وہ زمین کی نسبت زیادہ محفوظ ہوتا۔ چار پاؤں کی مدد سے جانور انسان کی نسبت بہت تیز بھاگ سکتا ہے، جو اسے شکار کرنے اور شکار ہونے سے بچنے میں بہت زیادہ مددگار ثابت ہوتے۔ چند جانور ایسے ہیں جو غذا کی تلاش وغیرہ کے لیے تھوڑا بہت دو پاؤں پر چل سکتے ہیں۔ لیکن زیادہ دیر کے لیے وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ زیادہ تر چار پاؤں پر چلنے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا ارتقاء کی منطق کے حوالے سے تو بندروں کے لیے دو کی بجائے چار پاؤں پر چلنا ہی زیادہ سودمند ہوتا۔ پھر یہ دو پاؤں پر کیوں چلنے لگے؟

لیورپول یونیورسٹی کے شعبہ تشریح الابدان (Anatomy) کے ماہر رابن کرامپٹن کہتے ہیں کہ ''ایک فرد یا تو سیدھا کھڑا ہو کر چل سکتا ہے یا اپنے چار پاؤں پر۔ ایک ایسی چال جو ان دونوں کے درمیان ہو، یعنی وہ فرد کبھی آدھا جھک کر چلتا ہو، ناممکن ہے، کیونکہ ایسا کرنے کے لیے اسے بے پناہ قوت درکار ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نصف دوپایہ یا نصف چار پایہ زندہ نہیں رہ سکتا۔''

لہٰذا یہ سوال کہ وہ دو ٹانگوں پر چلنا کیوں اور کیسے شروع ہوئے؟ انہوں نے اپنی پشم یا بالوں سے بھرپور کھال کیسے کھودی؟ (جو ان کے لیے نقصان کی بجائے فائدہ مند تھی!) دیگر جانداروں کی نسبت ان کے دماغ کا حجم اتنا بڑا کیسے ہوگیا؟ انسان نے بولنے اور لکھنے کا فن کیسے سیکھ لیا؟ جبکہ بندر یا دیگر جانور سوائے چند آوازوں کے کچھ نہیں بول سکتے۔ ابھی تک ان سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں مل سکا۔

## انسانی یا حیوانی آنکھ

انسانی یا حیوانی آنکھ کا ڈیزائن اور عمل بے حد پیچیدہ، مرکب اور اکمل ہے۔ آنکھ کو صحیح طریقے سے کام کرنے کے لیے چالیس سے زیادہ اجزاء یا حصوں کو ایک مربوط نظام کے تحت بروے کار لانا پڑتا ہے۔ مثلاً پلکیں، آنکھ کا عدسہ، پتلی، پردہ شبکیہ (Retina) اعصاب اور عضلات وغیرہ۔ حتیٰ کہ آنکھوں کو تر رکھنے کے لیے آنسو جیسا مادہ نہ بنے تو چند گھنٹوں میں بینائی ختم ہوجائے۔

کیا نظریہ ارتقاء کے تحت بصارت کے لیے ایسے درجنوں نظاموں کا خود بخود پیدا ہونا ممکن ہے جو آپس میں زبردست انداز میں مربوط بھی ہوں؟ خود ڈارون بھی اس کی کوئی تسلی بخش توجیہ پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے ایک خط میں وہ اعتراف کرتا ہے کہ ''مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب اس آنکھ کے تصور سے میرا تمام جسم سرد پڑ گیا تھا''۔

کسی جسم کی شبیہ جب پردہ شبکیہ پر پڑتی ہے (پردہ شبکیہ کی 11 تہیں ہوتی ہیں اور ہر تہہ کا اپنا کام ہے) تو اس شبیہ کے برقی لہروں میں تبدیل ہوکر دماغ کے متعلقہ علاقے تک پہنچنے اور پھر اسے پڑھنے (read) کا عمل اور اس کے ردعمل کا نظام اس قدر پیچیدہ اور حیران کن ہے کہ اگر اس کا یہاں بیان کریں تو اس کے لیے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت پڑے گی۔ ابھی بھی یہ عمل پوری طرح سمجھا نہیں جاسکا اور اس پر تحقیق جاری ہے۔

## کیڑوں مکوڑوں کی آنکھیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بصارت کے دس کے قریب نظام بنائے ہیں۔ کیڑوں مکوڑوں مثلاً

جھینگے اور لابسٹر (Lobster) میں قدرت نے انسانی آنکھ کے انعطافی نظام کی بجائے انعکاسی نظام کے تحت آنکھیں بنائی ہیں۔ کیڑوں مکوڑوں مثلاً شہد کی مکھی یا بھڑ کی آنکھوں کو مرکب آنکھیں کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی ایک آنکھ اصل میں ہزاروں چھوٹی چھوٹی سادہ آنکھوں سے بنی ہوتی ہیں جو تمام مل کر کسی چیز کا عکس مکمل کرتی ہیں۔ جبکہ انسانی آنکھ میں صرف ایک ہی عدسہ (lens) ہوتا ہے۔ کیڑوں کی آنکھیں کسی چیز کا بہت واضح عکس نہیں بناتیں، تاہم وہ زیادہ علاقہ دیکھ سکتی ہیں اور ذرا سی بھی حرکت خواہ کتنی تیز ہو، اسے محسوس کر کے اپنا دفاع کر سکتی ہیں۔ کروڑوں سال پہلے کے سمندری حشرات (trilobites) کے فاسلز کے معائنے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ان کی آنکھوں اور آج کی شہد کی مکھی اور ڈریگن فلائی (dragon fly) کی آنکھوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قدیم حشرات بھی پیچیدہ اجسام اور دہرے عدسے والی مرکب آنکھوں کے مالک تھے۔ ان مکمل اور پیچیدہ آنکھوں کے نظام میں کروڑوں سال بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

## چمگادڑ ہمیشہ چمگادڑ ہی تھے

چمگادڑ دودھ دینے والے جانوروں (mammals) کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ پرندہ نہ ہونے کے باوجود فضا میں بہت اچھے انداز سے نہ صرف اڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ رات کے اندھیرے میں دوران پرواز اڑتے ہوئے کیڑوں پتنگوں کا کامیابی سے شکار بھی کرتا ہے۔ چمگادڑ کے جو کروڑوں سال پرانے فاسلز دریافت ہوئے ہیں، ان میں اور آج کے چمگادڑ میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ اُس وقت بھی وہ ماہرانہ انداز میں پرواز کرتے تھے اور اڑتے ہوئے کیڑوں پتنگوں کا شکار کرتے تھے۔

چمگادڑ کی نظر کمزور ہوتی ہے، لیکن گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی وہ زمین اور فضا میں اپنے شکار کو بخوبی ڈھونڈھ لیتا ہے۔ اس کے لیے وہ عجیب طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اسے سونار سسٹم (Sonar System) کہتے ہیں۔ الٹراساؤنڈ مشین بھی اسی اصول پر کام کرتی ہے۔ چمگادڑ اپنے منہ سے مسلسل اونچی فریکوئنسی کی صوتی لہریں (high frequency ultrasound waves) خارج کرتا رہتا ہے۔ جب یہ لہریں شکار یا دیگر اجسام سے ٹکرا کر بازگشت کی صورت میں واپس

آتی ہیں تو چمگادڑ کا دماغ ان کا تجزیہ کر کے ماحول کا ایک نقشہ ترتیب دیتا ہے اور متعلقہ عضلات کو اعصاب کے ذریعے اطلاع دے کر اپنے جسم کی حرکت سے مطلوبہ مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ چمگادڑ یہ الٹراساؤنڈ سگنل شکار کی رفتار اور سمت کے مطابق تبدیل بھی کرتا رہتا ہے تاکہ اس کا دماغ ماحول کی صحیح تصویر کشی کر سکے۔

اب پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ ایسا پیچیدہ اور مکمل الٹراساؤنڈ نظام جو بیک وقت بہت سے عضو کے باہمی روابط اور تال میل سے تشکیل پاتا ہے، اتفاقاً کیسے وجود میں آ گیا؟ اور اگر ایسا قدرتی انتخاب (Natural Selection) کے ذریعے آہستہ آہستہ وقوع پذیر ہوا ہے تو چمگادڑ دورانِ تبدیلی ایک ادھورے نظام کے ساتھ کس طرح کامیابی سے زندہ رہا ہوگا؟ لیکن حقیقت میں ایسا کچھ ہوا ہی نہیں۔ چمگادڑ کروڑوں سال پہلے بھی چمگادڑ ہی تھے۔

## نوبل انعام اور جھوٹ

نوبل انعام یافتہ ماہر حیاتیات جیک زوستک (Jack Szostak) نے، جس کا تعلق ہارورڈ یونیورسٹی سے ہے، دعویٰ کیا کہ اس نے ایک ایسا طریقہ دریافت کیا ہے جس سے RNA اپنی نقل خود تیار (self replicate) کر لیتا ہے۔ گویا اپنی نسل بڑھا لیتا ہے۔

یہ مقالہ (research paper) 2016ء میں بین الاقوامی تحقیقی جریدے Nature Chemistry میں ایک نئی عظیم الشان دریافت کے طور پر شائع ہوا تھا۔ اس تحقیق سے نظریۂ ارتقاء کے حامیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ ثبوت مل گیا کہ زندگی اچانک وجود میں آئی تھی اور پھر یہ خود ہی افزائش نسل کرنے لگی۔

اصل میں موضوع تحقیق یہ تھا کہ کیا ضروری خاموں (Enzymes) اور پروٹینز کے بغیر RNA اپنی نقل (duplicate) تیار کر سکتا ہے؟ اس تحقیق کی بنیاد ہارورڈ یونیورسٹی ہی کے ماہر کیمیا (Chemist) والٹر گلبرٹ (Walter Gilbert) کا 1986ء کا یہ دعویٰ تھا کہ اربوں سال پہلے کسی نہ کسی طرح اپنی نقل تیار کرنے والا RNA کا سالمہ خود بخود وجود میں آ گیا تھا۔ بہرحال زوستک کو ایک سال کے اندر ہی اپنا مقالہ معافی اور معذرت کے ساتھ واپس لینا پڑا، کیونکہ وہ حقیقت پر مبنی نہیں تھا۔ اس سے آپ دنیا کی بہترین علمی درسگاہ کے نوبل انعام یافتہ عالم

کے علمی اور اخلاقی معیار کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

ہوا یوں کہ ہارورڈ یونیورسٹی کی اسی لیبارٹری میں ایک اور پوسٹ پی ایچ ڈی محقق ٹیولی اولسن (Tivoli Olson) نے متعدد بار ویسے ہی تجربات کیے مگر مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکا۔ اس کی بنا پر اسے کہنا پڑا کہ زوستک نے تجربات سے غلط نتائج اخذ کیے تھے۔ بالآخر زوستک کو اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے غلط دعویٰ کیا تھا۔ ہمارے نزدیک تو جھوٹ بولنے کا نوبل انعام بھی زوستک کو ہی ملنا چاہیے۔

نظریۂ ارتقاء دورِ حاضر کا سب سے بڑا جھوٹ ہے جس پر کوئی عقلی اور تجرباتی دلیل نہ ہونے کے باوجود اندھا یقین رکھا جاتا ہے۔ کوئی معمولی ذہن رکھنے والا شخص بھی یہ کہنے کی غلطی نہیں کرے گا کہ کیمرہ خود بخود اتفاق سے بن کر تیار ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود دنیا کے بہت سے ہوش مند پڑھے لکھے لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ آنکھ محض اتفاق سے وجود میں آ گئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ڈاروِنزم ایک سائنسی حقیقت کی بجائے ایک عقیدے کا نام ہے جو منکرین خدا نے اپنے دفاع میں گھڑ رکھا ہے۔ سر آرتھر کیتھ جو خود بھی ارتقاء کا حامی ہے یہ کہنے پر مجبور ہے کہ نظریۂ ارتقاء (Evolution Theory) ایک مشاہداتی یا تجرباتی حقیقت کی بجائے ایک عقیدہ ہے (جو خدا کو نہ ماننے کی ضد کی بنا پر مجبوراً اپنانا پڑتا ہے)۔

ایک سائنسی انسائیکلوپیڈیا میں ڈاروِنزم کو ایک ایسا نظریہ کہا گیا ہے جس کی بنیاد توجیہ بلا مشاہدہ (explanation without demonstration) پر قائم ہے۔

پھر بھی ایسی ناقابل مشاہدہ اور ناقابل تجربہ چیز کو ایک علمی حقیقت کیوں سمجھا جاتا ہے اس کی وجہ اے ای ہنڈر (AE Hender) کے الفاظ میں یہ ہے:

1- یہ نظریہ تمام معلوم حقیقتوں سے ہم آہنگ ہے۔

2- اس نظریے میں ان بہت سے واقعات کی توجیہ مل جاتی ہے جو اس کے بغیر سمجھے نہیں جا سکتے۔

3- دوسرا کوئی نظریہ ابھی تک ایسا سامنے نہیں آیا جو واقعات سے اس درجہ مطابقت رکھتا ہو۔

لیکن دیکھا جائے تو یہی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے خالق ہونے کے نظریے کے حق میں زیادہ شدت و وثوق کے ساتھ دی جا سکتی ہے، اور ایسا کرنے سے زندگی کی تخلیق کے بارے میں

سارے شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں اور ہر سوال کا کامل جواب مل جاتا ہے۔لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک ہی طریق استدلال سے ڈارون کے حامی اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ وہی دلائل ان کے نظریات کی نفی بھی کرتے ہیں۔علم ارتقاء کے ماہرین کے تجربات اور ان سے اخذ کردہ نتائج کی مثال کچھ اس طرح ہے۔

لیبارٹری ٹیبل پر استاد نے مینڈک رکھا اور اس کے سر کے پاس تالی بجائی۔مینڈک پھدک کر دور جا گرا۔استاد نے مینڈک پکڑ کر اس کی پچھلی ٹانگ کاٹ دی اور ٹیبل پر رکھ کر دوبارہ تالی بجائی مینڈک تھوڑا سا پھدکا اور ایک طرف لڑھک گیا۔استاد نے پکڑ کر اس کی دوسری ٹانگ بھی کاٹ دی اور پھر وہی تجربہ دہرایا۔مینڈک بے چارہ وہیں پڑا رہا۔استاد نے بچوں سے پوچھا: بچو! آپ نے اس تجربے سے کیا نتیجہ اخذ کیا؟ ایک طالب علم نے ہاتھ اٹھایا اور بولا سر اس تجربے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر مینڈک کی دونوں ٹانگیں کاٹ دی جائیں تو وہ سن نہیں سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O (07:02)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے''۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَO (23:45)

''کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔اب ایسے شخص کو اللہ کے سوا کون ہدایت دے سکتا ہے۔تو کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے''۔

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا (باقی برصفحہ 64)

# مدرسہ ڈسکورسز کے حامی
# بالواسطہ طور پر تجدد کو فروغ دے رہے ہیں

ڈاکٹر محمد امین
(بشکریہ ماہنامہ البرہان لاہور، ستمبر 2019ء)

1۔ اس بحث کو سمجھنے کے لیے قارئین مدرسہ ڈسکورسز کی ویب سائٹ 'تجدید'، ماہنامہ الشریعہ گوجرانولہ میں طبع ہونے والی طلبہ کی رودادیں، اس پر البرہان کے تبصرے، اسلامی نظریاتی کونسل میں ہونے والے ان کے اجلاس پر اعتراضات کے حوالے سے پروفیسر زاہد صدیق مغل اور راقم کے تبصرے اور ان کے جواب میں مدرسہ ڈسکورسز کی براہِ راست اور بالواسطہ حمایت میں پرنٹ اور سوشل میڈیا میں شائع ہونے والے مولانا زاہد الرشدی، ڈاکٹر قبلہ ایاز اور بھارت (دیوبند وقف) کے مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب کے مضامین پیشِ نظر رکھیں تو بات سمجھنے میں آسانی رہے گی۔

2۔ ہم دینی مدارس کے حامی اور بہی خواہ ہیں۔ ان کی خدمات کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے بعض اصلاحات کی درخواست بھی کرتے رہتے ہیں ہم یہ کام پچھلے تیس سال سے کر رہے ہیں۔ اصلاحی خطوط واضح کرنے کے ساتھ ہم ان کے مطابق ایک نئے رول ماڈل دینی مدرسہ کے قیام کے لیے بھی کوشاں رہے ہیں لیکن وسائل میسر نہ آنے کی وجہ سے اس پر عمل درآمد نہیں کر سکے۔

ہمارے ممدوحین میں سے مولانا زاہد الراشدی صاحب اور مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب دونوں کے اپنے مدرسے ہیں اور مدارس میں جن خامیوں کی وجہ سے وہ مدرسہ ڈسکورسز

کی حمایت کر رہے ہیں (جیسے دنیوی علوم سے عدم اعتناء، مغربی فکر وتہذیب سے عدم واقفیت، عصری مسائل سے عدم آگاہی، دین پر ہونے والے جدید اعتراضات کا جواب دینے کی عدم صلاحیت وغیرہ......اور ان تمام امور سے ہمیں بھی اتفاق ہے) وہ ان معاملات کی اصلاح اپنے دینی مدارس میں کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس میں کوئی رکاوٹ ہو تو ان کا جو خاندانی اور علمی پس منظر ہے، ان کے لیے نیا دینی مدرسہ قائم کرنا بھی چنداں مشکل نہیں۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ یہ فطری اور منطقی طریقہ اختیار کرنے کی بجائے وہ اپنے بچوں کو متجدّدین، مستشرقین اور مغربی قصائیوں کے آگے ڈال رہے ہیں۔

3۔ دیکھئے! تجدد گالی ہے نہ اتہام۔ یہ آج کا ایک زندہ منہجی اختلاف ہے اور یہ بالکل ویسا ہی اختلاف ہے جیسے ماضی میں جمہور اہل سنت و معتزلہ میں تھا۔ معتزلہ یونانی فکر وتہذیب سے مرعوب و متأثر ہو کر دین کی تعبیر اس وقت کے عقلی تقاضوں کے مطابق کرتے تھے۔ ویسے ہی آج کے متجدّدین مغربی فکر وتہذیب سے مرعوب و متأثر ہو کر اسلامی تعلیمات کی تشریح اس انداز میں کرتے ہیں کہ وہ مغربی فکر وتہذیب کے مطابق ثابت ہوں۔ اسے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو مغربیانا (WESTERNIZATION) بھی کہا جاتا ہے اور مغربی اصول و اقدار کو اسلامیانا (ISLAMIZATION) بھی، بات ایک ہی ہے۔

کل کے معتزلہ بھی یہی کہتے تھے کہ وہ کار 'تجدید' میں مصروف ہیں اور جمہور اہل سنت غلط اور جمود زدہ ہیں۔ آج کے معتزلہ اور متجدّدین بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ وہ 'تجدید' کے عمل میں مصروف ہیں اور جمہور اہل سنت کہہ رہے ہیں کہ نہیں وہ 'تجدد' کے ذریعے دین کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں۔ پچھلے معتزلہ کی جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ بعض مسلم حکومتوں کی حمایت کے باوجود ایک صدی کے اندر اندر اُمت نے نہ صرف ان کے موقف کو ردّ کر دیا بلکہ امت کے سخت ردعمل نے انہیں اس طرح نسیاً مَنسِیّا کر دیا کہ آج معتزلہ کی لکھی ہوئی کتابیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔

معتزلہ جدید کا بھی ان شاء اللہ یہی حشر ہوگا۔ لیکن اس دفعہ مقابلہ ذرا مشکل ہے اور اس کے دو سبب ہیں: ایک یہ کہ اُس وقت اسلامی فکر وتہذیب غالب تھی اور اہل سنت کے اکابر نہ جمود زدہ تھے اور نہ ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے۔ آج حالت یہ ہے کہ مغرب کی الحادی فکر وتہذیب دنیا

پر غالب ہے، مسلم حکمرانوں کی اکثریت ان کی گماشتہ ہے اور مسلم معاشرے کے پڑھے لکھے، سربرآوردہ اور اہل دانش طبقے مغربی فکر وتہذیب سے مرعوب ومتاثر ہیں۔ دوسرے اہل سنت علماء مسلکوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، زوالِ اُمت کے جمود کے کچھ اثرات بھی ان پر ہیں اور مغربی فکر وتہذیب کے علمبردار ممالک کے ظلم وستم کے ردّعمل کا شکاری ہو کر بھی وہ کچھ غیر متوازن ہو گئے ہیں۔ اس کے باوجود ہمیں یقین ہے کہ مستقبل میں جمہور علماء کے صحیح اسلام ہی کا غلبہ ہوگا، ان شاء اللہ۔ مغرب کی الحادی تہذیب خود اپنے داخلی عوامل کی وجہ سے روبہ زوال ہے اور ہنٹنگٹن جیسا متعصب اور اسلام ومسلم دشمن مفکر کہہ رہا ہے کہ وہ بمشکل یہ صدی نکال پائے گی۔ تو جب یہ تہذیب زوال پذیر ہو جائے گی تو اس سے مرعوب ومتاثر ہو کر اسلام کی تعبیر جدید کرنے والے فکری مفلسین اور متجدّدین بھی تاریخ کی گرد میں گم ہو جائیں گے اور جمہور کا اسلام اور اہل سنت کا اسلام، ان شاء اللہ، تا قیامت باقی رہے گا۔

4۔ یہاں دو باتوں سے صرف نظر ممکن نہیں: ایک یہ کہ مغربی تہذیب اور اس کی فکری اساسات سو فیصد اسلام سے متضاد ہیں۔ جس آدمی نے بھی مغربی تہذیب کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے بنیادی افکار (ہیومنزم، سیکولرزم، لبرل ازم، میٹریل ازم، کیپٹل ازم، ایمپیریسزم وغیرہ) اور اس کے ورلڈ ویو (تصورِ انسان، تصورِ الٰہ، تصورِ کائنات) اور اس کے تصورِ علم کو سمجھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ سارا فکری ڈھانچہ سو فیصد اسلام سے متضاد ہے۔ اور یہی نہیں اگلی بات یہ ہے کہ اس فکر وتہذیب کے علمبردار مغربی ممالک کی اسلام اور مسلم دشمنی اظہر من الشّمس ہے۔ انہوں نے مسلم ممالک کو زوال کے گڑھے میں دھکیلا، ان پر قبضہ کیا، انہیں کچلا، لوٹا اور غلام بنایا اور انہیں ہمیشہ کے لیے غلام رکھنے کی سعی میں ان کا تعلیمی، سماجی، سیاسی، قانونی، عدالتی ..... ڈھانچہ منہدم کر کے ان کے اجتماعی اداروں کو اپنے تہذیبی اصولوں پر قائم کیا۔ اس سارے عرصے میں مسلمانوں نے، خصوصاً ان کے علماء کرام نے، مغربی استعمار کے خلاف مزاحمت جاری رکھی۔ یہاں تک کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد انہیں جب مسلم ممالک کو مجبوراً آزادی دینا پڑی تو انہوں نے پوری کوشش کی کہ اقتدار ان لوگوں کے سپرد کریں جو ان کی پالیسیوں کو لے کر چلیں اور ان کی فکر وتہذیب اور ان کے مقاصد کا ساتھ دیں تا کہ مسلمان زوال کے گڑھے سے نہ نکل سکیں۔ اس کے باوجود کچھ ممالک

سر اٹھانے میں کامیاب ہوگئے تو عالم کفر کا سربراہ امریکہ مہیب اور جدید ترین جنگی مشینری کے ساتھ عالم اسلام پر حملہ آور ہوا اور اس نے عراق، افغانستان اور لیبیا کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ شام اور یمن تباہی کے کنارے پر ہیں اور پاکستان، ایران اور صومالیہ پر حملے اور دباؤ جاری ہے۔ فلسطین، کشمیر، چیچنیا، روہنگیا، بوسنیا، چینی ترکستان کے مسلمان رل گئے ہیں اور ان کی آہ و بکا عرش کے کنگرے ہلا رہی ہے۔ ان حالات میں جو متجدّ دین اسلام پر مغربی فکر و تہذیب کا چولا فٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور مغربی استعمار کے مقاصد کے لیے کام کر رہے ہیں، ہم ان کے فکری افلاس کا، ان کی عقل و منطق کا اور ان کی غیرت و حمیت کا رونا نہ روئیں تو کیا کریں؟

دیکھئے! یہ بات بہت اہم ہے اور اُمت کا اجتماعی ضمیر اور اس کے اہل علم و دانش اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے کہ ایک فقیہ اور مجتہد کن حالات میں اجتہاد کرتا ہے؟ اقبال نے یوں ہی نہیں کہا تھا کہ محکوم کے الہام سے اللہ بچائے اور

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

اور ملفوظاتِ اقبال میں ہے کہ علامہ اقبال نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ غلام احمد قادیانی کو الہام ہوتا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ اس الہام کا منبع کیا تھا؟ ایک محکوم قوم کا روحانی افلاس؟ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ دورِ زوال میں نئے اجتہاد کی بجائے یہی بہتر ہے کہ اسلاف کے کیے گئے کام کو مضبوطی سے پکڑا جائے (کیونکہ دورِ زوال کے اجتہاد کا صحیح اور متوازن ہونا اور اُمت کے لیے مفید ہونا مشکوک ہے)۔

کون نہیں جانتا کہ امریکہ و یورپ، ان کے خفیہ ادارے اور ان کی فلاحی و تعلیمی تنظیمیں (این جی اوز) مسلم ممالک کے جدید نظامِ تعلیم کو مغربی تہذیب کے مطابق ڈھالنے پر مامور ہیں۔ وہ دینی مدارس پر بھی حملہ آور ہیں، ان کا خاتمہ چاہتی ہیں اور انہیں غیر مؤثر کرنا چاہتی ہیں۔ ان حالات میں کچے ذہن کے مدارس کے معصوم طلبہ کو جنہیں دنیا کی ہوا بھی مدرسوں نے نہیں لگنے دی، امریکی اور عیسائی مشینری یونیورسٹیوں کے متجددین، مستشرقین و ملحدین کے حوالے کرنا جن کے پیچھے سی آئی اے اور خفیہ ایجنسیوں کا ہونا یقینی ہے (کہ یو ایس ایڈ ہمارے آنکھوں دیکھتے آج

بھی پاکستان میں تعلیم کو مغربی اور امریکی مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہے) یہ انہیں ذبح کرنے کے لیے قصائیوں کے حوالے کرنے کے مترادف ہے۔ آپ ہمارے ان الفاظ کو جذباتی اور مناظرانہ نہ سمجھیں، عرصۂ دراز پہلے اکبرالٰہ آبادی اور مولانا مودودی نے ان تعلیمی اداروں کو جو مسلمان بچوں کے دین وایمان اور کردار کو غارت کرنے والے ہوں، انہیں قتل گاہیں ہی کہا تھا۔

ہم حیران ہیں مولانا زاہدالراشدی صاحب پر کہ وہ اس کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی دلیل سنیے کہ ماتریدی اور اشعری نے بھی تو اپنے مخالفین سے ہی ان کا نقطۂ نظر جانا تھا (جی! جن سے جانا تھا وہ یونانی کافر نہ تھے، مسلمان ہی تھے اور وہ مسلمانوں ہی کا معاشرہ تھا نہ کہ یونانی معاشرہ) اور مولانا عبیداللہ سندھی نے بھی تو اغیار کے ہاں جا کر تعلیم حاصل کی تھی (تو مولانا سندھی روس سے جو اسلام سیکھ کر آئے تھے کیا وہ اسلام کی 'صحیح تعبیر' تھی اور برصغیر کے غیر جانبدار علماء کرام کی اکثریت کی اور بعض دیوبندی علماء کی ان کے اسلام کے بارے میں جو رائے ہے وہ کس سے ڈھکی چھپی ہے؟) ڈاکٹر یوسف گورایا، ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ابن وراق جیسے لوگ جو یورپ میں دین سیکھنے گئے تھے، وہ کیسا اسلام سیکھ کر آئے تھے؟ پینٹ کوٹ میں ملبوس، داڑھی صفاچٹ، متجدد اور ملحد، مغرب اور اس کی تہذیب، علمیت اور اس کی ثقافت کے گن گانے والے۔ ان کے ایک بہتر نمونے کی بات ہم اپنے مشاہد کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری مرحوم بھی ہالینڈ سے دین سیکھ کر آئے تھے۔ مستشرقین کے خلاف بات نہیں کرنے دیتے تھے اور بلاواسطہ و بالواسطہ مغربی فکر و تہذیب کی حمایت کرتے تھے (بلکہ بعض لوگوں کے نزدیک تو پروفیسر خورشید اور خرم مراد کو 'مغربیانے' میں بھی ان کا ہاتھ تھا) تو خلاصہ یہ کہ ہماری مولانا زاہدالراشدی صاحب اور مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مدرسوں کی اصلاح کریں تاکہ وہ دوسرے دینی مدرسوں کے لیے نمونہ بنیں۔ مدارس کی تعلیم و تربیت میں جو خامیاں رہ گئی ہیں وہ خود اپنے ہاں انہیں دور کریں تاکہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے مدارس بھی ان کی راہ پر چل پڑیں۔ اور وہ مدارس کے معصوم طلبہ کو سی آئی اے کے فنڈڈ تعلیمی اداروں میں کافر، ملحد اور متعصب مغربی پروفیسروں کے پاس بھیجنے کی حمایت نہ کریں۔

مغربی فکر و تہذیب کے علمبردار کافر ہیں، مسلمانوں کے بدخواہ اور دشمن ہیں۔ وہ انہیں

دین سے دور کرنا چاہتے ہیں، خواہ وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہوں (جو مغربی فکر و تہذیب کو قبول کرنے کے بعد اب وہ نہیں ہیں)۔ کیا ہم اس کے لیے مولانا راشدی صاحب اور مولانا قاسمی صاحب کو قرآن وسنت کے حوالوں کی نشاندہی کریں؟ ★ علماء کرام کا کام تو مغربی فکر و تہذیب کو ردّ کرنا ہونا چاہیے نہ کہ اس کی حمایت کرنا، نہ کہ اپنے بچوں کو وہاں بھیجنا کہ اپنا دین وایمان غارت کر کے آئیں اور متجد د بن کر لوٹیں۔ ایمان اور صحیح عقیدہ ایک مسلمان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جہاں ایمان، صحیح عقیدہ اور صحیح عمل خطرے میں ہو وہاں اگر سونا بھی مفت میں مل رہا ہو تو وہاں نہیں جانا چاہیے۔ قوم سرسید، چراغ علی، قادیانی، چکڑالوی، امرتسری اور پرویز کے زخم ابھی تک سہلا رہی ہے۔ ہم جاوید غامدی، عمار ناصر اور ان کے حمایتیوں کے تجدد کو کس طرح ٹھنڈے پیٹوں قبول کر لیں؟

5۔ سمجھ نہیں آتی کہ ڈاکٹر قاسمی صاحب کا رویہ سادگی پر مبنی ہے یا پرکاری۔ وہ فرماتے ہیں ہمارے بچے مدرسہ ڈسکورسز میں جا کر ان تک دین کا صحیح پیغام پہنچائیں گے، انہیں دین کا صحیح رخ دکھائیں گے۔ سبحان اللہ! اگر آپ داعی ہیں تو دعوت کا میدان خود منتخب کریں، دعوت کا اسلوب خود طے کریں، دعوت کے مضامین کا تعین آپ کریں۔ معاف کیجئے گا آپ کے طلبہ وہاں دین سکھانے نہیں، دین سیکھنے جائیں گے۔ اگر وہ مغربی فکر و تہذیب کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا مقام دوسرا ہے۔ یہ پروگرام تو ایک مشنری عیسائی یونیورسٹی کا ہے۔ جس نے کچھ بٹیرے پال رکھے ہیں تاکہ وہ اپنی بولی بول کر دوسرے بٹیروں کو بلوائیں اور ان کے جال میں پھنسوائیں۔ اس پروگرام کا عنوان علم الکلام ہے اور اس کا مقصد دینی مدارس کے طلبہ کی برین واشنگ اور مغرب کے الحادی فکر و تہذیب کے مطابق ان کی ذہن سازی ہے۔ اس میں آپ کے طلبہ داعی نہیں مدعو ہیں، وہ اپنے گھاگ اساتذہ کو متاثر نہیں کریں گے، ان سے متاثر ہو کر آئیں گے۔

6۔ یہاں 'تجدّد' اور 'تجدید' کا فرق بھی ملحوظ رہے۔ متجد دین اپنے منہج کو 'تجدید' کہتے ہیں۔ وہ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ امت نے اور اس کے مفسرین، محدثین، مجتہدین، علماء، فقہاء نے قرآن وسنت کی غلط تشریح کی ہے اور اس میں ایسے اضافے کر دیے ہیں جو قرآن وسنت کی روح سے مطابقت

---

★ تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب ''اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش''، مکتبہ البرہان، لاہور

نہیں رکھتے لہٰذا ان کو دین میں سے نکال دینا چاہیے۔ دین کو اس جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کر دینا چاہیے اور عصر حاضر (یعنی مغرب کی الحادی فکر و تہذیب) کے اصولوں اور تقاضوں کے مطابق دین کی نئی تشریح و تعبیر کرنی چاہیے۔ یہ اس کام کو دین کی 'تجدید' قرار دیتے ہیں۔

اس کے برعکس جمہور اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ جو لوگ قرآن و سنت کے اس فہم کو قبول نہیں کرتے جو اسلاف اور ائمہ سے متوارث چلا آ رہا ہے اور معتزلہ کی طرح مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کی روشنی میں دین کی نئی تعبیر و تفسیر کرنا چاہتے ہیں، وہ 'متجدد' ہیں اور وہ ان کے منہج کو تجدد کہہ کر ردّ کر دیتے ہیں۔

7۔ ڈاکٹر قاسمی صاحب کی عجیب دلیل ہے کہ یہ علمی اختلاف ہے، اسے برداشت کرنا چاہیے۔ انہوں نے تو اپنے مضمون کا عنوان ہی ''فکری اختلافات اور ہمارا طرز عمل'' رکھا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اصل مسئلہ یہ ہے کہ جمہور علماء کو (اور ہم جیسے ان کے حمایتیوں کو) علمی اختلاف کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ ہم متشدد لوگ ہیں، مخالف رائے رکھنے والوں کو خواہ مخواہ کوستے اور برا بھلا کہتے ہیں تحقیق اور معروضیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مخالفین کا موقف سنیں اور ہمیں ان سے اختلاف ہو تو شائستہ انداز میں، علمی اور تحقیقی انداز میں ان کو جواب دینے پر اکتفا کریں، بات ختم اور جھگڑا نابود۔

ہم ڈاکٹر قاسمی صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ذرا غور فرمائیں کہ کیا ہم اہل سنت میں اور غلام احمد قادیانی میں علمی اور فکری اختلاف ہے؟ مرزا صاحب یہی تو کہتے ہیں کہ آپ خاتم پر زبر پڑھتے ہیں، ہم زیر پڑھتے ہیں۔ یہ ایک علمی اختلاف ہے جس کی بظاہر گنجائش نکلتی ہے۔ پھر ساری دنیا کے علماء لٹھ کر قادیانیوں کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں کہ وہ کافر ہیں مسلمان نہیں ہیں؟ بلکہ معتزلہ قدیم کی مثال سامنے رکھیے۔ مسئلہ یہ تھا کہ قرآن کو اللہ کی مخلوق کہا جائے یا اس کا کلام؟ یہ مسئلہ سرے سے دین کے اُمہات مسائل میں سے ہے ہی نہیں؟ کیا عہد نبوت، عہد صحابہ، عہد تابعین میں یہ مسئلہ کہیں نظر آتا ہے؟ کیا آج یہ کوئی مسئلہ ہے؟ بلکہ آج کے بہت سے علماء کو تو سمجھ ہی نہیں آتی کہ یہ کیا مسئلہ تھا؟ سوال یہ ہے کہ کیا امام احمد بن حنبل کا، خدانخواستہ، دماغ خراب تھا کہ وہ بار بار جیل گئے، تعذیب سہی، کوڑے کھائے لیکن اپنی رائے

ترک نہ کی اور وہ یہ اختلاف ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ بات یہ ہے قبلہ ڈاکٹر قاسمی صاحب! کہ آپ کو کہیں نہ کہیں طے کرنا پڑے گا کہ علمی وفکری اختلاف کی سرحد کہاں ختم ہوتی ہے اور گمراہی کی سرحد کہاں سے شروع ہوجاتی ہے۔ علمی اختلاف کو ہم برداشت کریں گے لیکن گمراہی اور زیغ وضلال کو ہم برداشت نہیں کریں گے۔

ہم تازہ مثال دیتے ہیں کہ ہم فقہی معاملات میں جاوید غامدی صاحب کے ''اجتہادی تفردات'' پر صبر کے گھونٹ پی سکتے ہیں، انہیں برداشت کر سکتے ہیں لیکن جب وہ حدیث وسنت کا استخفاف کرتے ہیں تو بات فقہی اختلاف کی بجائے ماخذ دین کو مجروح کرنے کی ہوجاتی ہے اور ہم اسے گمراہی قرار دے کر اسے رد کرنے بلکہ اس کی مذمت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ ہم اسے علمی اختلاف کہہ کر ہنسی خوشی برداشت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر وہ کسی ایک آدھ معاملے میں اہل مغرب کی ہاں میں ہاں ملاتے تو ہم اسے علمی اختلاف پر محمول کرتے لیکن جب ان کا ہر استدلال، ان کا ہر اجتہاد، ان کا ہر موقف اسلام کی ایسی تعبیر کرتا ہے جو مغربی فکر وتہذیب مطابق ہے تو ہم اسے معروضی علمی اختلاف سمجھنے کی بجائے تجدد اور گمراہی کہنے پر اور اس کی مذمت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ ★ یہی حال ان کے تلامذہ خصوصاً عمار ناصر صاحب کا ہے۔

8۔ لہٰذا بات اتنی سادہ نہیں ہے کہ ہمارے کچھ طلبہ کسی دوسری یونیورسٹی میں پڑھنے جارہے ہیں تو ہم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ بلکہ بات یہ ہے کہ سرسید، قادیانی اور پرویز کی طرح جاوید احمد غامدی اور عمار ناصر سکہ بند متجدد اور گمراہ ہیں۔ یہ امر اب جمہور اہل سنت کے نزدیک ایک معروف حقیقت اور ثابت شدہ اور متفق علیہ امر ہے۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب عمار ناصر کی حمایت اور سرپرستی کرتے ہیں اور اگر متجدد نہیں تو تجدد کے حامی ضرور ہیں۔ ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب بھی تجدد کے جراثیم بیرونِ ملک سے دین سیکھ کر واپسی پر ساتھ لائے تھے۔ وہ اگر اپنے ذاتی خیالات میں متجدد ہوں تو وہ بھی قابل ردّ ہے لیکن اب تو مسئلہ یہ ہے کہ وہ ایک سرکاری عہدیدار ہیں اور اگرچہ اس منصب پر ان سے بھی بڑے متجدد اور ان سے بھی زیادہ نیم دانشور بلکہ جاہل

---

★ دیکھیے البرہان شمارہ اکتوبر 2011ء اور فروری 2015ء جس میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ غامدی صاحب کا ہر موقف مغربی فکر وتہذیب پر مبنی ہے۔

براجمان رہے ہیں لیکن انہیں بہر حال اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل کا پلیٹ فارم متجد دین کو مہیا کریں۔ انہوں نے بھی اپنے مضمون میں مدرسہ ڈسکورسز کی حمایت میں دھیمے سروں میں بودے دلائل دینے کی کوشش کی ہے، جن سے ہم فی الوقت صرفِ نظر کرتے ہیں۔

جو بات نظر آ رہی ہے وہ یہ کہ امریکہ سارے عالم اسلام میں اور خصوصاً پاکستان میں اپنی تہذیب اور اس کے اصول واقدار کی تنفید کے لیے، مسلمانوں کو صحیح اسلام سے دور کرنے کے لیے اور ایسے جدید اسلام کی آبیاری کے لیے جو اس کی تہذیب اور اس کے اصول واقدار کے مطابق ہو، اپنے ہم خیال افراد، اداروں اور جماعتوں کو بھرپور افرادی اور مالی وسائل مہیا کر رہا ہے۔ مدرسہ ڈسکورسز کی یہ جدوجہد ان کے بہت سے منصوبوں میں سے ایک منصوبہ ہے۔ لہٰذا لوگوں کو اس کی حمایت کرنے سے پہلے اس سارے تناظر کو ذہن رکھنا چاہیے۔

حرفِ آخر یہ کہ مولانا زاہد الرشدی صاحب برسوں سے 'ملّی مجلس شرعی' میں ہمارے ہم سفر ہیں۔ ہمارے دل میں ان کا بہت احترام ہے اور ان میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب دیوبند کے قاری محمد طیب مرحوم کے پوتے ہیں اور عمار ناصر صاحب، پاکستانی دیوبندیوں کے امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر مرحوم کے پوتے ہیں لیکن ان کی ان عظیم نسبتوں کا یہ تقاضا ہے کہ ہم حق بات کہنے سے رک جائیں؟ بلکہ ہماری رائے میں تو ان کے خاندان کی علمی وجاہت کی وجہ سے ان کی غلطیوں پر روک ٹوک زیادہ ضروری ہے تاکہ دوسرے ان کو دیکھ کر ان کے راستے پر نہ چلیں اور تجدد اور گمراہی سے بچ جائیں۔

ہماری اس تحریر سے اگر کسی کی دلآزاری ہوئی ہو تو ہم معذرت خواہ ہیں۔ ہمارا مقصد کسی کی اہانت اور دل آزاری نہیں لیکن تجدد اور مغربیت کا رد ہمارے نزدیک آج ایک شرعی تقاضا ہے اور تحقیق، معروضیت اور علمی اختلاف کا مطلب ہم یہ نہیں سمجھتے کہ اس تقاضے سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ وآخر دعوانا انِ الحمد للّٰہ ربّ العلمین۔

# ترکی
# خلافت عثمانیہ کی راہ پر

مولانا محمد نفیس خان ندوی
(بشکریہ ماہنامہ دیس پردیس لاہور، جولائی 2019ء)

اگست 1897ء میں بیسل (سوئٹزرلینڈ) میں پہلا عالمی صہیونی اجلاس منعقد ہوا، اس موقع پر تھیوڈور ہرزل (THEODOR HARZL) نے عالمی صہیونی تحریک (WORLD ZIONIST ORGANIZATION) کی بنیاد رکھی، اس تحریک کے بنیادی واوّلین مقاصد میں فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری شامل تھی، تھیوڈور ہرزل نے مغربی طاقتوں کی تائید کے بعد خلیفہ عبدالحمید ثانی سے ملاقاتیں کیں اور 1896ء سے 1902ء کے درمیان پانچ مرتبہ خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا، ابتدائی ملاقاتوں میں اس بات کا اظہار کیا کہ اگر سلطنت عثمانیہ یہودی مہاجرین کو پناہ دے تو وہ سلطنت کے ماتحت رہیں گے اور اپنے کاروبار کے ذریعے بڑی رقم ٹیکس کی مد میں بھی دیں گے۔ سلطان عبدالحمید نے یورپ میں مظالم سہنے والے یہودی مہاجرین کی سلطنت میں آنے پر آمادگی ظاہر کی، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان تمام کو کسی ایک جگہ پر نہیں رکھا جائے گا بلکہ وہ ملک کے مختلف علاقوں میں آباد کیے جائیں گے۔ تھیوڈور ہرزل کا اصل مقصد یہودیوں کی ایک ایسی بڑی کمپنی کا قیام تھا، جو ضرورت پڑنے پر جتنی چاہے زمین خرید سکے، تاکہ ان کے خفیہ ارادوں کی تکمیل ممکن ہو، چنانچہ اس نے سلطان کی اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح اس کے اور سلطان کے مابین معاہدہ طے نہ ہو سکا۔

ہرزل نے اپنی آخری ملاقات میں سلطان کو خطیر رقم کی پیش کش کی اور کہا اگر آپ بیت المقدس اور فلسطین میں ہمیں جگہ دے دیں تو ہم خلافت عثمانیہ کا سارا قرضہ اتار دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا بھی دیں گے۔

یہ وہ وقت تھا، جب سلطنت عثمانیہ بحران کا شکار ہو چکی تھی، مالی حالت خستہ تھی، قرض کا بوجھ بڑھ چکا تھا، خلافت کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور عالمی سطح پر اس کا وزن گھٹ چکا تھا، ایسی صورت حال میں ایک خطیر رقم کی پیش کش اس کی معاشی صورت حال میں بہتری اور قرضوں کی ادائیگی کے لیے بڑی اہمیت رکھتی تھی اور سلطان کی اوّلین ترجیحات میں سے ایک سلطنت کی معاشی حالت کو بہتر کرنا بھی تھا، مگر سلطان عبدالحمید نے صہیونیوں کے عزائم بھانپتے ہوئے اس پیش کش کو یہ کہتے ہوئے ٹھکرا دیا:

I CANNOT SELL EVEN A FOOT OF LAND, FOR IT DOES NOT BELONG TO ME, BUT TO MY PEOPLE. MY PEOPLE HAVE WON THIS EMPIRE BY FIGHTING FOR IT WITH THEIR BLOOD AND HAVE FERTILIZED IT WITH THEIR BLOOD. WE WILL AGAIN COVER IT WITH OUR BLOOD BEFORE WE ALLOW IT TO BE WRESTED AWAY FORM US.

''میں زمین کا ایک فٹ ٹکڑا بھی نہیں بیچ سکتا، کیونکہ یہ میری نہیں، بلکہ عوام کی ملکیت ہے۔ میری رعایا نے یہ سلطنت اپنے خون سے حاصل کی اور خون ہی سے اس کی آب یاری کی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اسے اپنے ہاتھ سے جانے دیں، ہم دوبارہ اسے اپنے خون سے ڈھانپ لیں گے۔''

اس طرح خلیفہ نے اپنی دینی غیرت اور اسلامی حمیت کا ثبوت دیا، ترکی کے خلاف سازشوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا، یہودی لابی نے مسیحی وسائل کا بھرپور استعمال کیا اور اپنی دانست میں یورپ کے اس ''مردِ بیمار'' کی آخری سانسیں تک چھین لیں، چنانچہ 1918ء میں پہلی عالمی جنگ کے اختتام نے ترکی کی شکست و ریخت پر مہریں ثبت کر دیں، برطانیہ کی سربراہی میں فاتح قوتیں ترکی کے بڑے حصے پر قابض ہو گئیں اور پھر فاتح اور مفتوح کے

درمیان رسوا کن شرطوں کے ساتھ ایک ظالمانہ معاہدہ ہوا، جسے ''معاہدۂ لوزان'' (TREATY OF LAUSANNE) کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ معاہدہ پورے سو سال پر محیط ہے۔

معاہدۂ لوزان کا انعقاد سوئٹزرلینڈ کے ایک شہر 'لوزان' میں 24 جولائی 1932ء کو اتحادیوں اور ترکی کے درمیان طے پایا تھا، اس معاہدہ کی رو سے ترکی کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے اور ترکی اگلے سو سال کے لیے اس معاہدہ پر عمل درآمد کا پابند قرار پایا، معاہدہ کی دفعات اور ان دفعات میں پوشیدہ یورپ کی مسلم دشمنی بھی ملاحظہ ہو۔

1۔ اسلامی خلافت ختم کی جائے گی اور اس کی جگہ سیکولر ریاست قائم ہوگی۔

2۔ عثمانی خلیفہ کو ان کے خاندان سمیت ملک بدر کیا جائے گا۔

3۔ خلافت کی تمام مملوکات ضبط کرلی جائیں گی، جن میں سلطان کی ذاتی املاک بھی شامل ہوں گی۔

4۔ ترکی پٹرول کے لیے نہ اپنی سرزمین پر اور نہ ہی کہیں اور ڈرلنگ کرسکے گا، اپنی ضرورت کا سارا پٹرول اسے امپورٹ کرنا ہوگا۔

5۔ باسفورس عالمی سمندر شمار ہوگا اور ترکی یہاں سے گزرنے والے کسی بحری جہاز سے کسی قسم کا کوئی ٹیکس وصول نہیں کرے گا۔

واضح رہے کہ باسفورس کی سمندری کھاڑی بحر اسود، بحر مرمرہ، بحر متوسط کا لنک ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عالمی تجارت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والی نہر سویز کے ہم پلہ قرار دی جاتی ہے۔

اس معاہدہ کے ساتھ ہی 'خلافت عثمانیہ' کی بساط لپیٹ دی گئی اور افریقا، ایشیا اور یورپ تک پھیلی ہوئی عظیم سلطنت بندر بانٹ کا شکار ہوگئی، یورپ کے علاقے چھین لیے گئے، عراق، اردن اور فلسطین برطانیہ کے کنٹرول میں چلا گیا، شام، لبنان، الجزائر اور لیبیا فرانس کے قبضہ میں آئے، اناطولیہ اور آرمینیا کو ترکی سے کاٹ کر آزاد ملک بنادیا گیا۔ خلیفہ کی ملک و بیرون ملک جائیدادیں ضبط کرکے ملک بدر کردیا گیا، اسی پر بس نہیں، خلیفہ کی معزولی کا پروانہ لے کر اسی صہیونی لیڈر ہرزل کو بھیجا گیا، جسے خلیفہ نے فلسطین کے مطالبہ پر اپنے دربار سے دھتکار کر نکالا تھا۔ صہیونیوں کی جانب سے یہ لہراتا ہوا وہ خنجر تھا جو خلافت کی قبا چاک کرتا ہوا فلسطین کے سینے

میں اُتر گیا۔ چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مبصرین کی نظر میں اسلامی تاریخ کے سانحوں میں سب سے دردناک اور کرب انگیز سانحہ شاید 1923ء میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کا تھا۔ ترکی میں خلافت قائم تھی، وہ جیسی بھی تھی، مسلمانوں کے اتحاد اوران کی مرکزیت کا عنوان تھی، یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمان بھی خلافت عثمانیہ کے خاتمے پر تڑپ اُٹھے، متحدہ ہندوستان کی گلیاں اور بازار 'تحریک خلافت' کے پرہجوم جلسوں اور پرجوش نعروں سے گونج اُٹھے۔ یہ عجیب تاریخی منظر تھا کہ ایک طرف ترک نیشنلزم اور 'قومیّت عربیہ' کا ہتھیار عالم اسلام کے حصے بخرے کرنے اور خلافت عثمانیہ کو بکھیرنے کے لیے پوری قوت کے ساتھ استعمال کیا جارہا تھا، انہی دنوں جنوبی ایشیا میں قومی راہ نماؤں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم محمد اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، چوہدری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا ظفر علی خان، اور امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے علماء وقائدین خلافت عثمانیہ کو بچانے کے لیے سرگرم عمل تھے اور وہ برطانوی حکومت سے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کی مہم روک دینے کا مطالبہ کررہے تھے، اس دور کا یہ نعرہ آج بھی پرانے لوگوں کے کانوں میں گونج رہا ہے کہ ''بولی اماں محمد علی کی، جان بیٹا خلافت پہ دے دو''۔ اس مہم میں بڑی حد تک گاندھی اور نہرو بھی تحریک خلافت کی حمایت میں تھے اور کھلے بندوں اس کا ساتھ دے رہے تھے یہ تحریک خلافت برصغیر میں سیاسی تحریکات کی ماں ثابت ہوئی، جس کی کوکھ سے آزاد ہند کی سیاسی تحریکات نے جنم لیا۔

بہرحال مذکورہ شرائط پر عمل کرتے ہوئے دنیا کو ایک نئے ترکی سے متعارف کیا گیا، اس نئے ترکی کی سیاسی باگ ڈور مغربی ایجنٹ مصطفیٰ کمال اتاترک کے ہاتھوں میں تھمادی گئی، پھر ساری دنیا نے دیکھا کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ترکی میں 'نوجوان ترکوں' کا غلبہ شروع ہوگیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں اسلام پسندوں پر مظالم ڈھائے، علما کا قتل عام کیا، نماز کی ادائیگی اور تمام اسلامی رسومات پر پابندی لگادی، عربی زبان میں خطبہ، اذان اور نماز بند کردی گئی، مساجد کے اماموں کو پابند کیا گیا کہ وہ 'ترک' زبان میں اذان دیں، نماز ادا کریں اور خطبہ پڑھیں،

اسلامی لباس اُتروا کر عوام کو یورپی کپڑے پہننے پر مجبور کیا گیا، مصطفیٰ کمال پاشا اور اس کے ساتھی نوجوان ترکوں نے ترکی میں اسلام کو کچلنے کے لیے جتنی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو جتنا نقصان پہنچایا، اس کی مثال روس اور دیگر کمیونسٹ ملکوں کے علاوہ شاید کہیں اور نہ ملے۔

کمال اتاترک نے ترکی کو بچانے کے نام پر یورپ کے مطالبہ پر نہ صرف خلافت سے دست برداری اختیار کی تھی، بلکہ شریعت اسلامیہ اور مذہبی شعائر کو بھی پوری طرح مسخ کر دیا تھا، جس کا تسلسل 1938ء تک قائم رہا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد عوام کو کچھ جمہوری آزادیاں نصیب ہوئیں، سیاست میں اتاترک کی ری پبلک پارٹی ہی کے بطن سے ڈیموکریٹک پارٹی نے جنم لیا اور عدنان میندریس کی قیادت میں دو پارٹی نظام اور دستور حکومت کا یک گونہ آغاز ہوا، جس کے نتیجے میں عوام کو اپنے دینی اور تہذیبی جذبات کے اظہار کا کچھ موقع ملا، دینی شعائر پر جو پابندیاں تھیں وہ کچھ کم ہوئیں، اذان عربی زبان میں بحال ہوئی، قرآن اور دینی کتب سے رجوع بڑھا، دینی مدارس کا احیاء اسکول کی شکل میں ہوا اور اس طرح ترکی نے اپنی اصل شناخت کی طرف مراجعت کے سفر نو کا آغاز کیا۔

اسلامی بیداری کی ان کرنوں کی وجہ سے ترکی کے سیکولر نظام میں دراڑیں پڑنے لگیں اور اسے خطرے کی گھنٹی سمجھتے ہوئے ملک کی سیکولر قوتوں نے (جن کے چار ستون فوج، بیوروکریسی، عدالت اور میڈیا تھے) مغربی اقوام کی مدد سے ترکی کی خود اپنی دینی تہذیبی شناخت کے خلاف ایک نئی کش مکش اور تصادم کو فروغ دیا، جس نے ملک کے امن وسکون کو غارت کر دیا، عدنان میندریس کے خلاف فوجی بغاوت ہوئی اور انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

1953ء سے 1997ء تک کے نظریاتی کش مکش کے اس دور میں عدنان میندریس کے چند سالہ شعلے کے علاوہ جن دو شخصیات نے تاریخ کے رخ کو موڑنے کا کام کیا ان میں سب سے نمایاں بدیع الزمان سعید نورسی (1876ء-1960ء) اور نجم الدین اربکان (1922ء-2011ء) ہیں۔ سعید نورسی نے شروع میں اتاترک کا ساتھ دیا، لیکن جب اتاترک نے سیکولرازم اور مغرب کی تقلید کا راستہ اختیار کیا، قومیّت کے سیکولر تصور کو قوت کے ذریعے مسلط کرنے کی کوشش کی اور اسلام کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کرنے کا ایجنڈا شروع کیا تو سعید نورسی نے اسے چیلنج کیا اور

قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں لیکن اسلام کی بنیادی دعوت اور پیغام کو زندہ رکھا اور تصوف کے سلسلہ نقش بندی کے فروغ، دینی مدارس کے قیام اور اپنے خطوں اور تحریروں کے ذریعے اسلام کی شمع کو روشن اور عام آبادی کو دین سے وابستہ رکھنے کی خدمت انجام دی۔

نجم الدین اربکان نے ان دعوتی اور روحانی کوششوں کو اپنے انداز میں مضبوط اور مستحکم کرنے کے ساتھ دین کی اجتماعی زندگی میں کردار کے احیاء کو اپنا مشن بنایا اور نہایت مشکل حالات میں بڑی حکمت و دانش مندی اور صبر و استقامت کے ساتھ ترکی کو، اس کی دینی اور تہذیبی شناخت کے احیاء اور اُمت مسلمہ سے ایک بار پھر جڑ کر طاقت کی نئی قوت کے حصول کے راستے پر ڈالا۔ اس کے ساتھ انہوں نے ترکی کو مغرب کی سیاسی، معاشی اور تہذیبی غلامی سے نکال کر خود انحصاری اور ملت اسلامیہ سے دوبارہ جڑنے اور مربوط ہونے کے نئے تاریخی سفر کا آغاز کیا۔

1995ء میں ہونے والے انتخابات میں نجم الدین اربکان کی رفاہ پارٹی نے ملک کے 21 فی صد ووٹ حاصل کر لیے اور ایک دوسری جماعت کے ساتھ شراکت میں حکومت قائم کر لی، ترکی کے ایوان نمائندگان نے آپ کو اپنا قائد ایوان منتخب کر لیا، عدنان میندریس شہید کے بعد ترک کے ایوانِ اقتدار میں پہلا اسلام پسند مرد جری داخل ہوا، آپ نے ترک عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کی خاطر اہم کثیر الجہتی اقدامات کیے، آپ کی معتدل مزاجی اور فراست کا کرشمہ یہ ہے کہ آپ نے ترک سیاست کا محور سیکولرازم سے اسلام میں تبدیل کر دیا۔ ترک فوج کے سیکولر پسندوں کو آپ کی، بلکہ دوسرے الفاظ میں اسلامی طرز حکم رانی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت کہاں گوارا ہو سکتی تھی؟ انہوں نے صرف ایک سال بعد ہی اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کی حکومت ختم کر دی۔ اس بار آپ کے عملی سیاست میں حصہ لینے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔

نجم الدین اربکان کے بعد ترکی کے نظامِ حکومت میں اسلامی روح پھونکنے کا کارنامہ موجودہ صدر حافظ رجب طیب اردغان نے انجام دیا، ابتدائی دور میں وہ ترکی کے قد آور اسلامی نظریاتی و سیاسی راہنما نجم الدین اربکان کی ''رفاہ اسلامی پارٹی'' سے وابستہ رہے، انہوں نے بعض عملی مصالح سے ''انصاف اور وکاس پارٹی'' قائم کی، جس کی روح اربکان کی تحریک کا ہی پرتو ہے۔ اسی تحریک کی بدولت ترکی میں جوہری تبدیلیوں کا دور شروع ہوا، سیکولرازم کے نام پر عوام پر

مسلط جبری لادینیت کا حصار ٹوٹا، مذہبی آزادی نے عوام کو روحانی سکون دیا اور دینی شعار و اقدار کی بحالی نے اسکولوں، کالجوں، دفتروں اور بازاروں کے ماحول کو نیا رنگ و آہنگ عطا کیا، پہلے وزیراعظم اور پھر صدر کی حیثیت سے جناب رجب طیب اردغان اور ان کے پیش رو صدر عبداللہ گل کا اس تبدیلی میں اہم کردار رہا۔ ظاہر ہے ''اسلام فوبیا'' کے عالمی ماحول میں ترکی میں کمال اتاترک کی لادینی وراثت کا سمٹ جانا اور یورپ کے ہی ایک ملک میں پھر سے اسلام کے رنگ اُبھر آنا بہت سے ذہنوں میں خار کی طرح چبھتا ہے۔

صدر اردغان نے استنبول کے میئر (1994ء-1998ء) سے موجودہ منصب صدرات تک طویل سیاسی سفر طے کیا ہے۔ ترکی کو، جو یورپ کا بیمار کہلاتا تھا، اقتصادی اعتبار سے مضبوط کیا، ترکی نے تعمیراتی میدان میں کمال کی ترقی کی اور دنیا کی سب سے بڑی تعمیراتی انڈسٹری کھڑی کرلی۔ زراعت اور باغ بانی سے پیداوار اور برآمدات میں ایک دہائی میں تین گنا سے زیادہ اضافہ ہوا، عوام کی بنیادی ضرورتوں جیسے صحت، خدمات، پانی کی دست یابی، سڑک، مواصلات وغیرہ کو وسعت حاصل ہوئی، تعلیم کے شعبہ میں بڑا کام ہوا، اعلیٰ تعلیم کے لیے بڑی تعداد میں بیرونی طلبہ ترکی کا رخ کرنے لگے ہیں۔ یہ سارے ترقیاتی کام صدر اردغان کی مقبولیت کی بنیاد بنے، جس کا اندازہ 2016ء میں فوجی بغاوت کے وقت ہوگیا تھا، جب عوام جدید اسلحہ سے لیس فوجیوں اور ان کے ٹینکوں کے سامنے سینہ سپر ہوگئے، ان کو آگے نہیں بڑھنے دیا اور دنیا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

طیب اردغان کی مقبولیت کو مغربی طاقتوں نے بہت سنجیدگی سے لیا، کیوں کہ اردغان کی اسلام پسندی، نہ صرف سیکولرازم کے لیے خطرہ ہے، بلکہ پورے یہودی و مسیحی اقتدار کے لیے بھی ایک چیلنج ہے۔ اگر ترکی دوبارہ اپنی سابقہ قوت حاصل کرتا ہے اور عثمانی شان و شوکت کے ساتھ وہ عالمی سیاست میں قدم رکھتا ہے تو مغربی طاقتوں کو دوبارہ سرنگوں ہونا پڑسکتا ہے، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اردغان اپنی تقاریر میں یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ 2023ء کے بعد ترکی پہلے جیسا نہیں رہے گا انھوں نے بارہا کہا کہ 2023ء کے بعد ترکی ایک کمزور اور بیمار ملک نہیں رہے گا، بلکہ ایک طاقتور اور ترقی یافتہ ملک کی حیثیت سے اُبھر کر یورپی سازشوں کے سامنے

سینہ تان کر کھڑا ہوگا، ہم ترک سرزمین پر اپنی ضرورت کے مطابق تیل اور دیگر معدنیات بھی تلاش کریں گے اور نہر سویز کی طرح ایک ایسی نہر بھی کھودیں گے جو بحر اسود کو مرمرہ کے ساتھ ملا کر مربوط کرے گی۔ اس نہر کی کھدائی کے بعد ترکی یہاں سے گزرنے والے ہر بحری جہاز سے ٹیکس وصول کرے گا۔ جس سے ترک معیشت مضبوط سے مضبوط تر ہوگی۔

مذکورہ تفصیلات ہی کی روشنی میں یہ کہانی واضح ہوجاتی ہے کہ مغرب کیوں اردغان کا اس قدر سخت دشمن بنا ہوا ہے اور مغرب کے اپنے مفادات کس طرف ہیں؟ اور اردغان کیوں ترکی کے لیے ایک پاور فل منتظم اور صدر چاہتے ہیں؟ طیب اردغان کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ لولا لنگڑا اور کمزور صدر ترکی کے لیے زیادہ جرأت مندی سے اہم ترین فیصلے نہیں کر پائے گا اور نہ ہی یورپی ممالک کی سازشوں کا مقابلے کرنے کی اس میں جرأت ہوگی۔ تجزیہ نگار کے مطابق یہ بات ترکی کے مفاد میں ہے کہ امریکی طرز پر صدارتی اختیارات سے لیس ترک فوج کا کمانڈر انچیف اور قوم کا اعتماد رکھنے والا صدر ہو، جو عالمی سطح پر ترکی کو اس کا آبرومندانہ مقام دلا سکے۔

چنانچہ اسی منظر و پس منظر میں 24 جون اتوار کو ترکی میں سنسنی خیز انتخابات ہوئے، تقریباً 6 کروڑ ترک باشندوں نے اپنے حق رائے دہی کا استعمال کیا، صدارتی عہدے کے لیے 6 امیدوار میدان میں تھے، ترکی کے انتخابی قوانین کے مطابق اگر کسی بھی امیدوار کو 50 فیصد سے زیادہ ووٹ نہیں ملتے تو سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے دو امیدواروں کے درمیان دوبارہ الیکشن کرایا جاتا ہے، جسے RUN-OFF کہا جاتا ہے اور اس کے لیے 8 جولائی کی تاریخ طے تھی، طیب اردغان کی پوری کوشش تھی کہ انہیں 50 فیصد سے زائد ووٹ حاصل ہوجائیں، تاکہ انہیں ووٹنگ کے دوسرے راؤنڈ میں نہ جانا پڑے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اردغان کو 53 فی صد ووٹ حاصل ہوئے، جب کہ ان کے حریف محرم انسے کو 31 فی صد ووٹ ملے، اس طرح رجب طیب اردغان نے صدارتی الیکشن میں تاریخی کامیابی حاصل کرلی۔

ترکی انتخابات کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کے لیے جیسی انتخابی مہم ترکی میں چلی اس سے کہیں زیادہ جوش و خروش یورپ میں نظر آیا، فرانس کے صدر ایمیونل میکرون، ہالینڈ کے وزیراعظم مارک روٹے (MARK RUTTE) جرمن چانسلر اینگلا مرکل اور ہنگری کے متعصب

قوم پرست وزیراعظم وکٹر اربن (VICTOR ORBAN) کے ساتھ امریکی راہ نماؤں نے طیب اردغان کے خلاف زبردست مہم چلائی، یورپی ممالک میں ''صدر اردغان ایک ڈکٹیٹر'' کے عنوان سے بڑے بڑے پوسٹر لگا دیے گئے، ترک قانون کے تحت غیر ممالک میں آباد ترک شہریوں کو بھی ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہے، چنانچہ ترکی کی سیاسی جماعتیں یورپ کے بڑے شہروں میں بھی جلسے اور ریلیاں منعقد کرتی رہیں، لیکن اردغان پارٹی AKP کو یورپ میں کسی بھی طرح کے سیاسی جلسہ کی اجازت ہی نہیں دی گئی۔

گزشتہ سال اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے رجب طیب اردگان نے ''لوزان معاہدہ'' کے بارے میں کہا تھا کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس کے تحت ترکی کو خلافت و شریعت سے دست بردار ہونا پڑا تھا، یہ معاہدہ ہم پر جبراً مسلط کیا گیا تھا، جو عسکری یلغار کے سائے میں ہوا تھا اور اس میں ترک عوام کی مرضی شامل نہیں تھی۔ اردغان کے اس بیان سے تاریخ کا شعور رکھنے والے کارکنوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ 2023ء میں اس معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر اردغان کے عزائم کیا ہیں؟ اس لیے پورا مغرب طیب اردغان کے مخالفوں کی پشت پر کھڑا ہو گیا۔

ترکی میں صدارتی انتخاب نومبر 2019ء کو ہونے تھے، لیکن صدر طیب اردغان نے قبل از وقت انتخاب کرانے کا فیصلہ کیا، ان کا موقف تھا کہ تیزی سے بدلتی علاقائی صورت حال، خاص طور سے شام میں نیٹو اور امریکا کی جانب سے ترک مخالف دہشت گردوں کی پشت پناہی، یورپ کی جانب سے غیر علانیہ اقتصادی پابندیوں اور دوسری متوقع آزمائشوں کے پس منظر میں حکمرانی کے لیے عوامی اعتماد کی تجدید کی ضرورت ہے، چنانچہ انہوں نے 24 جون کو انتخاب کا اعلان کر دیا، قومی اسمبلی تحلیل کر دی اور صدارتی و پارلیمانی انتخابات ایک ہی دن منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اپنے اقتدار کی مدت کو رضا کارانہ طور پر کم کر کے انتخابات کا اعلان ایک طرف اردغان کے حق میں تازہ سیاسی اقتدار (MANDATE) کے حصول کا ایک مثبت جمہوری اقدام تھا، تو دوسری جانب مغربی طاقتوں کے لیے سخت تشویش و فکرمندی کا باعث، چنانچہ 18 اپریل کو صدر اردغان کی جانب سے قبل از وقت انتخاب کے اعلان کے ساتھ ہی ''ترکی آمریت کی راہ پر'' کے عنوان سے مراکز دانش (THINK TANKS) نے سارے یورپ میں مذاکرے اور سیمینار منعقد کیے اور متنبہ کیا کہ نئے

آئین میں ترک صدر کو بہت زیادہ اختیارات دیے گئے ہیں اور اگر اردغان دوبارہ صدر منتخب ہو گئے تو عثمانی خلافت کی تجدید بس چند دنوں کی بات ہوگی۔

اردغان کے خلاف پروپیگنڈوں کے ساتھ ہی ان کے مقابلہ کے لیے ایک مضبوط امیدوار کی تلاش شروع ہوئی، 2014ء کے صدارتی انتخاب میں روایتی سیکولر امیدوار کے بجائے OIC کے سابق سیکرٹری جناب اکمل الدین احسان اوغلو کو میدان میں اتارا گیا تھا، تاکہ اسلام پسندوں کے ووٹ تقسیم کئے جاسکیں، اس بار پھر وہی حکمت عملی اختیار کی گئی اور سابق صدر اور AKP کے راہ نما جناب عبداللہ گل کو متحدہ حزب اختلاف کا ٹکٹ پیش کیا گیا، لیکن اردغان سے ناراضی کے باوجود عبداللہ گل راضی نہ ہوئے۔

عبداللہ گل کے بعد سیاسی میدان میں ابھرتی ہوئی خاتون راہ نما میرال آکسینر (MERAL AKSENER) کو اردغان کے مقابل تیار کیا گیا، میرال ترک عوام میں ایک مقبول ومعروف نام تھا، خاتون ہونے کی بنا پر ترک میں ایک نیا جوش تھا، پہلی خاتون صدر کی حیثیت سے ترکی ایک نئی تاریخ رقم کرنے کی راہ پر تھا اور یہ اس لیے بھی دشوار نہیں تھا کہ میرال کی شہرت نجم الدین اربکان کی شاگردہ کی حیثیت سے تھی اور انہی کے بینر تلے میرال نے اپنا سیاسی سفر شروع کیا تھا، وزیر اعظم تانسو چلر کی مخلوط حکومت میں مختصر عرصے کے لیے وزیر داخلہ بھی بنی تھیں کچھ عرصے بعد وہ رفاہ پارٹی سے الگ ہو کر نیشنلسٹ موومنٹ پارٹی MHP میں شامل ہو گئیں اور پھر جلد ہی اپنی جماعت بنالی۔ اس متنوع سیاسی پس منظر کی بنا پر اسلام پسند، قوم پرست اور سخت گیر سیکولر طبقات سمیت تمام سیاسی مکاتب فکر میں ان کے لیے نرم گوشہ پایا جاتا تھا، چنانچہ ان کے نام پر مہر لگادی گئی اور نئے جوش وخروش کے ساتھ انتخابی مہم کا آغاز ہوا۔

سیاسی و مذہبی پس منظر کے ساتھ میرال کی انتخابی سرگرمیوں نے ترکی میں سیاسی ہلچل مچادی اور طیب اردغان کے مقابل انہیں ایک مضبوط امیدوار تسلیم کیا جانے لگا، لیکن اسی دوران یہ انکشاف ہوا کہ محترمہ میرال کو فتح اللہ گولن کی سرپرستی حاصل ہے۔ فتح اللہ گولن وہی پراسرار شخص ہیں جنہیں ترکی میں امریکی ایجنٹ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اور انہیں کو 15 جولائی 2016ء کو ہونے والی ناکام فوجی بغاوت کا کلیدی ملزم گردانا جاتا ہے، چنانچہ فتح اللہ گولن کا نام سامنے آتے ہی میرال

کی مقبولیت کا گراف تیزی سے اوندھے منہ آ گرا، اس طرح طیب اردغان کے مقابل ان کی دعوے داری ختم ہوگئی۔

میرال کے فلاپ ہونے کے بعد حزبِ اختلاف کا سیاسی سفر پھر نقطۂ آغاز پر آ رُکا، نئے سرے سے ایک ایسے نام کی تلاش شروع ہوئی جو اردغان کو مضبوط ٹکر دے سکے، اس دوران ری پبلکن پارٹی CHP کے امیدوار پروفیسر محرم انجے اپنی انتخابی مہم کو خاصہ منظّم کر چکے تھے، وہ طبیعات کے پروفیسر اور نظریاتی طور پر سیکولر ہیں، میرال سے مایوس ہو کر یورپ اور ترکی کے سیکولر عناصر نے اپنا سارا وزن محرم انجے کے پلڑے میں ڈال دیا اور زوردار انتخابی مہم کا آغاز ہوا۔

میڈیا نے پروپیگنڈوں کے ساتھ نفسیاتی جنگ کا بھی آغاز کر دیا، جس میں امریکا کا FOX ٹیلی ویژن پیش پیش تھا، فوکس کے ساتھ بی بی سی، جرمن میڈیا اور یورپ کے تجزیہ نگاروں نے بھی رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی اور اردغان کی مقبولیت کا گراف کم کرتے ہوئے پرزور طریقے سے یہ تاثر دیا کہ ان کی مقبولیت بمشکل 47 سے 48 فیصد ہے، جب کہ کامیابی کے لیے 50 فی صد ووٹ ضروری ہیں، لہٰذا جب 24 جون کو فیصلہ آئے گا تو اردغان اپنی منزل سے دور ہوں گے، جس کے نتیجے میں قانون کے مطابق پہلی اور دوسری پوزیشن پر آنے والے امیدواروں کے درمیان فیصلہ کن مقابلہ، یعنی RUN-OFF ہوگا۔ ان تجزیوں نے اردغان مخالفین کا حوصلہ بلند کر دیا۔ ایک طرف انتخابی مہم میں شدت آئی تو دوسری طرف پارلیمانی انتخابات کے لیے CHP نے محترمہ میرال کی IYI پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھ مل کر ایک قومی اتحاد تشکیل دے دیا اور پھر سعادت پارٹی بھی اس اتحاد میں شامل ہوگئی۔ اسی کے ساتھ صراطِ مستقیم پارٹی، بائیں بازو کی ڈیموکریٹ لیفٹ پارٹی اور مادرِ وطن پارٹی نے بھی قومی اتحاد کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ نیشنلسٹ موومنٹ پارٹی MHP پہلے ہی سے اردغان کی اتحادی تھی۔ چنانچہ ان دونوں پارٹیوں نے مل کر پارلیمانی انتخاب کے لیے عوامی اتحاد قائم کر لیا اور جلد ہی اسلامی خیالات کی حامل دائیں بازو کی ایک چھوٹی جماعت BBP بھی عوامی اتحاد کا حصہ بن گئی۔

سیکولرازم کا تحفظ، شہری آزادی اور ترک قوم پرستی محرم انجے کے منشور کا حصہ تھے۔ اسی کے ساتھ انہوں نے خانہ جنگی کا شکار شامیوں کو پناہ دینے پر صدر اردغان کو شدید تنقید کا نشانہ بھی

بنایا جو محرم کے خیال میں ملکی معیشت پر بوجھ ہیں۔ اس کے بالمقابل اردغان کی انتخابی مہم کی بنیاد شفاف طرزِ حکمرانی، عثمانی اقدار، دفاعی صنعت میں خود کفالت کے ساتھ، دنیا بھر میں انسانی حقوق کی پاسداری پر تھی۔ اس آخری نکتے پر 'سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے' کی پھبتی کسی گئی، لیکن سلیم الفطرت ترکوں نے اسے بہت پسند کیا۔

انتخابی مہم کے آغاز سے ہی اردغان کا پلہ بھاری تھا، لیکن CHP کو ایک جامع اتحاد کی بنا پر یہ توقع تھی کہ وہ پہلے مرحلے میں مطلوبہ 50 فی صد ووٹ نہیں لے سکیں گے اور اردغان کو دوسرے مرحلے کے براہ راست انتخاب میں شکست دے دی جائے گی، اسی وجہ سے انتخابات کے روز زبردست جوش وخروش پایا گیا، لیکن نتائج نے سیکولر اتحاد کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور طیب اردغان پہلے ہی مرحلے میں اکثریت حاصل کر کے کمال اتاترک کے بعد سب سے زیادہ طاقتور راہ نما بن گئے اور 2023ء تک کے لیے ملک کے صدر قرار پائے۔

یہ انتخابات اس لحاظ سے بے حد اہم تھے کہ اب ترکی میں صدارتی نظام پر عمل درآمد شروع ہو جائے گا، اس نظام کے تحت انتظامیہ اور مقنّنہ (پارلیمان) کو بالکل علیحدہ کر دیا جائے گا اور امریکا کی طرح وزرا قومی اسمبلی کے رکن نہیں ہوں گے، بلکہ اگر صدر نے کسی رکن قومی اسمبلی کو کابینہ کا رکن نام زد کیا تو اسے وزارت کا حلف اٹھانے سے پہلے پارلیمان کی رکنیت سے استعفیٰ دینا ہوگا، پارلیمنٹ صرف قانون سازی کے فرائض سرانجام دے گی اور تمام انتظامی اختیارات صدر کے پاس ہوں گے، وزیراعظم کا منصب ختم کر دیا جائے گا اور صدر اپنی نیابت کے لیے نائب صدر نام زد کریں گے، جو پارلیمان کا سربراہ ہوگا۔

ترکی میں نافذ ہونے والے صدارتی نظام کے تجزیہ کے بعد یہ سوال بھی اُٹھتا ہے کہ آج زمام اقتدار رجب طیب اردغان جیسے دین دار شخص کے سپرد ہے اور امید ہے کہ وہ ان اختیارات کو ترک قوم اور اُمت مسلمہ کے حق میں مؤثر بنائیں گے، تاہم سیاسی مفکرین کا کہنا ہے کہ ایسا نظامِ حکومت جس میں کل اختیارات ایک فرد یا اس کے گرد چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ آتے ہیں، اس وقت بدترین نظام بن جاتا ہے جب بدنیتی، کوتاہ اندیشی اور غلط روی پائی جائے، موجودہ قانون کے تحت صدر اردغان زیادہ سے زیادہ 2023ء تک برسراقتدار رہ سکتے ہیں۔ لیکن

کیا لازم ہے ان کے بعد آنے والے افراد بھی ملک وملت کے مفاد میں ان اختیارات کو جو صدر محترم نے اپنے لیے حاصل کیے ہیں، اسی زیرکی اور دیانت سے استعمال کرسکیں گے؟ نئے نظام میں وزیراعظم کا منصب ختم ہوجائے گا۔ وزیروں کا تقرر براہِ راست صدر کریں گے، اس لیے وہ صدر کو جوابدہ ہوں گے، پارلیمنٹ کو نہیں، جس سے پارلیمنٹ کمزور ہوگی۔ ایسا نظام جس میں مؤثر نگرانی اور توازن (CHECK AND BALANCES) کا میکانزم شامل نہ ہو، ملک ومعاشرے کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب بڑی عیار طاقتیں دیگر ممالک کے حکمرانوں اور وسائل کا استعمال اپنے مفاد میں کرنے کی مہارت رکھتی ہیں۔ یہ صورت عوام میں بےاطمینانی اور ملک میں شورش کو ہوا دے سکتی ہے، اس لیے ہمیں سکہ کے اس دوسرے رخ سے بھی باخبر رہنے کی ضرورت ہے اور اردغان سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اس نظام میں دیرسویر سیکولرازم کی جگہ اسلامیّت کو جزلاینفک کے طور پر شامل کریں گے، تاکہ ان کے بعد کوئی ایسا شخص آسانی سے کرسیِ اقتدار پر قابض نہ ہونے پائے جو ان اختیار کا غلط استعمال کرے اور عالم اسلام ایک بار پھر کمال اتاترک کے عہد اقتدار کو دیکھ کر خون کے آنسو بہائے۔

انتخاب جیت جانے کے بعد طیب اردغان کو بہت سے سنگین چیلنجز کا سامنا ہے، یورپ کے اکثر ممالک کا رویہ ترکی سے معاندانہ ہے، جس کی وجہ سے ان ممالک نے بعض غیرعلانیہ پابندیاں بھی عائد کررکھی ہیں اور آگے بھی وہ اپنی دشمنی ظاہر کرتے رہیں گے، گزشتہ کچھ عرصے سے ترک لیرا (TURKISH LIRA) شدید دباؤ میں ہے اور ادھر چند ماہ کے دوران اس کی قیمت میں 20 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ ترکی کی عراق اور شام سے ملنے والی سرحدوں پر کشیدگی ہے، جس کی وجہ سے انقرہ کے دفاعی اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ اقتصادی ترقی کے لیے اردغان نے طیارہ سازی کی صنعت کے قیام، شمسی توانائی کے فروغ اور دفاعی صنعت کو ترقی دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔ ترک قوم 5 سال بعد 2023ء میں اپنی آزادی کا سوسالہ جشن منائے گی، صدر اردغان نے 2023ء میں ملک کی فی کس آمدنی کے لیے 23 ہزار ڈالر کا ہدف طے کیا ہے، جب کہ اس وقت فی کس آمدنی 11 ہزار ڈالر کے قریب ہے۔ گویا وقت کم اور مقابلہ سخت!

والدین اور دین کا درد رکھنے والے مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ!

# سرکاری سکولوں کے تعلیمی نصاب کا ''ارتقاء''

سیدہ بنت وقار الحسن ہمدانی

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت، ملتان، جولائی 2019ء)

شخصیّت کی تشکیل میں تعلیم و تربیت دونوں کا مساوی کردار ہے۔ تعلیمی اداروں کے نصاب، ہمارے معاشرے کے آئندہ رجحانات کی وضاحت کرتے ہیں۔ نصاب سے حاصل ہونے والی تعلیم ہی طلبہ کو شخصی رجحانات و نظریات کا حامل بناتی ہے۔ بچپن کے نقوش کے اثرات گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں۔ اربابِ دانش کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ پاکستانی سکولوں میں کیا پڑھایا جا رہا ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ گورنمنٹ کا مرتّب کردہ نصاب اب پہلے سے کہیں بڑھ کر استعماری اقدار و روایات کا مُبلّغ بن گیا ہے۔ حتیٰ کہ پرائمری سکول کی بالکل ابتدائی سطح پر بھی نصاب میں ایسی بہت سی چیزیں موجود ہیں جو اسلامی معاشرت سے انحراف اور آزادی کے عقیدے کی طرف بھرپور طریقے سے مائل کرتی ہیں۔

انگریزی کو وطنِ عزیز میں سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہونے کی بنا پر نصاب میں اس کی شمولیت تو ضروری ہی ٹھہری۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ شاملِ نصاب انگریزی کتابیں زبان سکھانے کے علاوہ بھی بہت کچھ سکھا رہی ہیں۔ اربابِ فکر کو اس سے آگاہ رہنا چاہیے۔

دوسری جماعت کی انگریزی کتاب میں "WORKING HARD" کے عنوان کے تحت ایثار کے جذبے کا خاتمہ سکھایا جا رہا ہے۔ POLLY نامی مرغی نے اپنی محنت اور

صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے جب روٹی حاصل کر لی تو اب اس نے ساتھی جانوروں کی بھوک اور طلب محسوس کرتے ہوئے بھی ان کو کھانے میں شریک نہیں کیا۔ اسلامی نظریہ تو اس حدیث میں واضح ہے: "اَلْمُؤْمِنُ یُحِبُّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ" (کہ مومن اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لیے) اسی طرح ساتھیوں کو راحت پہنچانے اور تکلیف سے بچانے کے لیے سنت مطہرہ تو ہمیں کچھ دوسری طرح کے اخلاقی احوال پیدا کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ مثلاً پڑوسیوں کا خیال، برادرانِ ملت کو اپنے جسد کا ٹکڑا سمجھنا، صدقات اور خیرات کے ذریعے سے لوگوں کی مدد کرنا، ایثار کرنا وغیرہ وغیرہ۔۔ لیکن یہاں اس کے متضاد رویے کا درس موجود ہے کہ

THE CAT, THE DOG AND THE COW WANTED
TO EAT THE BREAD. POLLY ATE IT HERSELF.

(بلی، کتا اور گائے بھی روٹی کھانا چاہتے تھے لیکن پولی نے وہ ساری روٹی خود کھالی)

تیسری جماعت کے بچوں کی انگریزی کتاب میں ہی آزادی، انسان پرستی، دنیا پرستی، اتباعِ مغرب، صنفی مساوات اور مادہ پرستی جیسے جاہلانہ نظریات بالجبر معصوم ذہنوں میں منتقل کیے جا رہے ہیں۔ شاملِ نصاب ایک سبق کا عنوان "GENDER EQUALITY" (مرد و عورت کی برابری) ہے۔ اس عنوان سے ہی مشمولات کی مغرب آلود غلاظت کا جائزہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک اور سبق "HELPING OTHERS" (دوسروں کی مدد) کے عنوان کے ذیل میں عجیب کہانی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسماء نامی ایک بچی بالکل اکیلی سکول سے گھر واپس آتے ہوئے راستہ بھول جاتی ہے۔ 2 اجنبی لڑکے اس کو پریشان دیکھتے ہیں، تو قریب آ کر نام پوچھتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کا گھر ڈھونڈ کر پہنچا آتے ہیں۔ گھر پہنچنے پر والدین بہت خوش ہوتے اور اظہارِ تشکر بھی کرتے ہیں۔ اب اس سبق میں مرد و عورت کی مساوات کا بے تکا اظہار ہے۔ وہاں یہ امکان بھی موجود ہے کہ جو بچے "HER PARENTS THANKED THE BOYS" (اسماء کے والدین نے ان لڑکوں کا شکریہ ادا کیا) پڑھ کر بڑے ہوں گے، وہ کل کو یہ سوال تو نہایت طبعی اور سادہ انداز سے کریں گے کہ شریعت نے عمرہ و حج کے سفر میں عورتوں کے لیے محرم کے ساتھ ہونے کی شرط کیوں لگائی ہے؟ یا مثلاً مردوں کو اکیلے سفر کرنے کی اجازت کیوں ہے اور عورتوں کو کیوں نہیں؟ دونوں میں کیا فرق ہے؟ اسلام کی یہ پابندی عورت کی آزادی میں خلل نہیں

ڈالتی؟ یہ بچے جو اتنی کم عمری میں اکیلے سکول سے واپس آنے، راستہ بھول کر اجنبی لڑکوں کی رہنمائی قبول کرنے جیسی باتوں کو ابھی سے سیکھ رہے ہیں کل یہی کچھ بڑے ہو کر قرآن کی آیت "وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" (اپنے گھروں میں ٹھہری رہو) پر اعتراض اٹھائیں تو حیرت نہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک تو یہ صنفی مساوات، آزادی، ترقی جیسے عقائد سے انحراف ہوگا۔ وہ عقائد باطلہ جنھیں آج ہم خود اپنے بچوں کے لیے طبعی اور فطری بنا کر سکھا رہے ہیں۔ یہ نوجوان اسلامی نظریات سے باغی ہو کر سیکولرازم اور لبرازم کے کفر و الحاد کی طرف قدم بڑھائیں تو یہ فطری نتیجہ ہوا، کیونکہ انھوں نے بچپن سے ہی صنفی مساوات اور آزادی جیسے عقیدوں پر تعلیم حاصل کی تھی۔

چوتھی جماعت کا ایک شاملِ نصاب سبق "THE THIEF AT THE MARKET" بھی قابلِ ذکر ہے۔ عائشہ بھرے بازار میں ایک چور سے اپنی ماں کا تھیلا واپس لینے کے بعد پھل فروش سے ہاتھ ملاتی ہے اور ہر دکاندار سے اپنے اس اعتماد، جرأت و بہادری پر تحائف و تحسین وصول کرتی ہے، جس پر اس کی والدہ کہتی ہیں: "I HAVE NEVER FELT MORE PROUD OF YOU, MY DAUGHTER" (میری بیٹی! مجھے تم پر بے انتہا فخر ہے)

یہ پڑھنے کے بعد کل ہماری نوجوان نسل "وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" پر اعتراض نہ کرے؟ اور اگر جینڈر نیوٹرل رول کو فطری اور طبعی اور صنفی امتیازات کو فرسودہ اور دقیانوسی قرار نہ دے تو اور کیا کہے؟ نتیجہ تو وہی ہوگا جو آج مثلاً کپڑے دھونے کے پاؤڈر کے اشتہار میں موجود الفاظ میں ہمارے سامنے ہے کہ عورت کا چار دیواری میں رہنا داغ ہے۔ ایسے بعض دینی رہنماؤں کا یہ کہنا کہ ARIEL کا بائیکاٹ کر دیں کتنا زیادہ غیر عملی اور کتنی شدت کے ساتھ شکست خوردہ حکمت عملی کا عکاس ہے؟

عائشہ بھرے بازار میں اپنی والدہ سے تعریفی کلمات سن کر جواب میں ہنستے ہوئے کہتی ہے:
"PLEASE KEEP YOUR BAG SAFE NEXT TIME. BEING A HERO IS AN EXHAUSTING WORK."
(برائے مہربانی اگلی بار اپنا بیگ سنبھال کر رکھیے گا۔ ہیرو بننا ایک تھکا دینے والا کام ہے)۔

یہ تربیت حاصل کرنے کے بعد ایسے طلبہ بھلا حدیث مبارکہ "اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَات" کا مطلب کیونکر سمجھیں گے؟ ان کے شعور میں تو عقیدۂ آزادی نے یہ بات بٹھا دی

ہیرو بنتے ہوئے بھی ذاتی آزادی پر سمجھوتہ نہیں کیا جائے۔

''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ متقاضی ہے کہ سکول ہو یا مدرسہ، اسلامی عقائد، نظریات ور جحانات ہی نظر آئیں۔ صد افسوس حقیقت اس سے مختلف ہے۔

چہارم جماعت کے ایک سبق کا عنوان ہے: "MARYAM'S TENTH BIRTHDAY"

سب لوگ جانتے ہیں کہ یوم پیدائش کی تقریباتی یادگاری کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ چلیں یہ تو ایک درجہ تھا۔ ستم یہ ہے کہ اس برتھ ڈے کی روداد میں درپیش ہونے والے تمام واقعات اپنی نہاد میں مغرب کی کلچرل پراڈکٹ اور وہاں کی ثقافتی سرگرمیاں ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حکومت پاکستان کے زعم میں پاکستان کا اپنا کوئی تہذیبی ورثہ نہیں ہے؟ کیا یہ اپنی ثقافتی تاریخ کو اتنا مفلس سمجھتے ہیں کہ آٹھ نو برس کی عمر کے بچوں کو ابھی سے انگریزوں کی اتباع پر اٹھانا بڑھانا چاہتے ہیں۔ حدیث مبارکہ "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے انھی میں سے ہوتا ہے) کے مطابق ہمیں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ صد حیف "MARYAM'S TENTH BIRTHDAY" ''پڑھنے کے بعد بچے پارٹی کلچر سے ایسے ہی مانوس ہوں گے جیسے کبھی ہمارے اسلاف عبادتِ رب، اطاعت حق، اتباعِ سنت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد سے اپنے پورے وجود کے ساتھ مانوس اور متعلق تھے۔

اسی طرح مطالعۂ پاکستان میں اورنگزیب کا تعارف یوں بیان کیا گیا ہے کہ جیسے وہ ایک جابر حکمران تھا، جس نے اپنے بھائی کو دانستہ اقتدار کے حصول کے لیے قتل کیا اور میدانِ جنگ کے احوال کو صریحاً غلط انداز میں پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ اورنگزیب نے اپنے باپ کی بھی خوب تذلیل کی۔ حقائق یہ کہتے ہیں کہ اورنگزیب مسلمان بادشاہوں میں سے ایک صاحب عزیمت بادشاہ تھا۔ اس کے سوانح و واقعات بہت شاندار ہیں اور وہ اپنے بدترین احوال میں بھی ہمارے زمانے کی سب سے بہتر سیاسی قیادت سے بہرطور بہتر تھا۔ سوال صرف سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر کے محاسن یا جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کا نہیں ہے، بلکہ یہ کیا طریقہ ہے کہ ہماری تاریخی شخصیات کے چن چن کر کمزور پہلو واقعات کی مسخ شدہ تصویر کے ساتھ پیش کیے جائیں اور پورے نصابِ تعلیم میں کہیں ذکر نہ ہو کہ نیو ورلڈ آرڈر کیسا خونی اور قاتل نظامِ زندگی ہے۔ سلامتی

کونسل کے بڑے ممالک کن پاگل اور ذہنی مریض سیاسی قیادتوں کے ذریعے چلائے جارہے ہیں اور جدید دنیا کی بنیاد کتنی ہولناک لوٹ مار اور ظلم و زیادتی پر اٹھائی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نوعیت کا نصاب تشکیل دے کر آپ کا مقصود کیا ہے؟ کیا آپ اپنے بچوں کو انھی سامراجی طاقتوں کا خادم بنانا چاہتے ہیں جنھوں نے پچھلے دوسو برس میں دنیا کو جہنم کے دہانے پر پہنچا دیا ہے؟ گویا صورت حال یہ ہے کہ آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی آئندہ نسلوں کو استعمار کے حوالے کر رہے ہیں کہ وہ انھیں اپنی چاکری کے لیے قبول کرلے۔

بحیثیت اُمت مسلمہ ہم لوگ 'اقرأ' کی امت ہیں یعنی ہماری شناخت کا آغاز ہی پڑھنے کے ربانی حکم سے ہوتا ہے اور آج علم کے نام پر ہی جہالت اور کفر افزائی کا یہ سب سے بڑا دھوکہ ہمارے سامنے رکھا جارہا ہے۔ اس مسئلہ کا سب سے افسوسناک اور سنگین پہلو یہ ہے کہ بہت سے والدین جو اپنے بچوں کو سکولوں میں تعلیم دلوانے کے لیے بھیجتے ہیں وہ اصل میں دین کا درد رکھنے والے اور اس کے مظاہر سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ لیکن وہ انجانے میں اپنے ہاتھوں اپنی نسلوں کو گمراہی کے کنوؤں میں دھکیل رہے ہیں اور انھیں اپنے اچھے ارادے اور نیک نیتی کے باوجود ناچاہتے ہوئے بھی بری طرح نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ ویسی ہی صورت حال ہے جیسے ملتان کے عظیم بزرگ شیخ الاسلام حضرت بہاءالدین زکریا کے نام پر قائم یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر کسی زمانے میں ایک تصویر پہلے صفحے پر لگی ہوئی تھی جس میں سر برہنہ و بے پردہ مسلمان لڑکیاں ایک بینر پکڑ کر کھڑی ہیں اور اس پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ لکھی ہے کہ فرمایا: العلم نور، یعنی ''علم'' روشنی ہے۔ آپ فرمایئے علومِ نبوت کی اس سے زیادہ اہانت آمیز پیروڈی کیا ہوسکتی ہے؟

ہمارے خیال میں اب وہ وقت آگیا ہے کہ پاکستان کی ملت اسلامیہ اس حقیقت کو پہچان لیے کہ روایتی سرکاری و غیر سرکاری عصری تعلیمی اداروں میں جو کچھ پڑھایا جارہا ہے نہ تو وہ علم ہے اور نہ ہرگز اس کا اسلام اور یہاں کی ملت اسلامیہ کی تہذیبی و تاریخی شناخت سے کوئی تعلق ہے۔ بطور خاص دینی جماعتوں اور اہلِ علم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان تعلیمی اداروں سے نکلنے والی نئی نسلوں کے ایمان و اعتقاد کی حفاظت کی فکر کریں اور اس کے لیے کوئی منظم لائحہ عمل ترتیب دیں۔

# معاشرتی اخلاقی برائیاں اوران کا علاج

ابو فیصل محمد منظور انور

ناز ہے طاقت گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اگر چہ ہر دور میں انسانی معاشروں میں کچھ نہ کچھ معاشرتی اخلاقی برائیاں رہی ہیں اور مذہب بیزار لادین معاشروں کو تو چھوڑیے کیونکہ وہ تو ہر لحاظ سے آزادانہ زندگی گزارنے کے دلدادہ ہیں اس لئے ان میں معاشرتی برائیوں کا ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے مگر بدقسمتی یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں مسلم معاشروں میں بھی یہ اخلاقی برائیاں انتہا کو چھو رہی ہیں افسوسناک امر یہ ہے کہ ان اخلاقی کمزوریوں اور برائیوں کو روکنے کی عملی طور پر کوشش ہی نہیں ہو رہی۔ نتیجے میں ہماری آئندہ نسل ان اخلاقی برائیوں سے بچنے کو اہمیت ہی نہیں دے رہی جس کی وجہ سے یہ بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہ اخلاقی انحطاط قوموں کی زندگی کے لئے سم قاتل ہے اور اُمت مسلمہ اس کا شکار ہو چکی ہے۔ تکبر ایسی اخلاقی برائی کے بارے میں رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا'' (صحیح مسلم)۔ حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا تکبر ہے اور یہ دل کا مرض ہے جو پہلے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

علم کا تکبر یہ ہے کہ کوئی صاحب علم اپنے آپ کو کوئی اعلیٰ وارفع مخلوق سمجھنے لگتا ہے اور دوسروں کو خود سے کمتر گردان کر اپنے لیے امتیازی سلوک کا طلبگار رہتا ہے۔ آج کا تعلیم یافتہ طبقہ

بھی عصری علمی تفاخر جتا کر اپنے آپ کو اعلیٰ تعلیم یافتہ، زیادہ مہذب اور برتر سمجھتا ہے حالانکہ عموماً اس میں دین اسلام کا علم نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ علمی تفاخر کے اظہار ہی کا ایک طریقہ ہے کہ علماء طبقہ نے اپنے نام کے ساتھ شیخ الاسلام، الحاج، مفتی اعظم وغیرہ کے القابات لگانے شروع کر دیے۔ متکبر شخص خود کو معاشرے میں اپنی الگ پہچان اور حیثیت کا حقدار سمجھتے ہوئے دوسروں سے اپنے ساتھ خصوصی برتاؤ کا طالب ہوتا ہے اور خود پسندی کا شکار ہو کر متکبرانہ رویہ اپناتا ہے اور سمجھتا ہے کہ شاید لوگ اس سے کمتر ہیں اور اس کی علمیت کا کوئی مقابلہ ہی نہیں اسے حاصل علم وحکمت کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کے حضور آخرت میں بھی وہ سارے انعامات کا مستحق ہے اور دنیا میں بھی تو وہ صاحب علم ہونے کے باعث دوسروں سے اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ جب لوگوں نے قارون سے کہا کہ اللہ نے جو دولت تجھے دی ہے اس کے ذریعے تو اس کی رضا اور آخرت کی فلاح طلب کر۔ تو اس نے کہا تھا کہ یہ مال و دولت تو مجھے میرے علم کے باعث ملا ہے (77:28) اس نے تکبر کیا تو اللہ نے اس کو نشانِ عبرت بنا کر رکھ دیا۔ خاندانی وحسب نسب کا تفاخر دوسری بیماری ہے جو انسان کو اپنی بڑائی کا احساس دلاتی رہتی ہے یہ بیماری اس وقت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور مسلم معاشرے بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرو اور تم میں سے سب سے عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ (الحجرات۔13)۔ اپنے آباء واجداد کا تعلق کسی امیر کبیر یا شاہی خاندان سے جوڑنا کہ میں تو فلاں رئیس خاندان سے ہوں، سید، قریشی، خان، پٹھان، مغلیہ شاہی خاندان، افغان، عرب یا اپنے آپ کو کسی اعلیٰ حسب نسب سے جوڑ کو اپنا خاندانی تفاخر جتا کر اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھنا اور دوسروں کو کمی کمین اور نیچ سمجھنا یہ تکبر کی دوسری بڑی بیماری ہے۔ کوئی شخص نبی کے خاندان سے بھی ہو اگر اس کا عمل اچھا نہیں ہے تو نبی کے خاندان کا فرد ہونا اس کو نہ بچا سکے گا قریش کے بڑے بڑے سردار ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کیا بخش دیے جائیں گے کہ وہ اعلیٰ قریشی خاندان سے تھے؟ ہم سب کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو مٹی سے بنے اور ہم سب ایک حقیر پانی کی بوند سے بنے ہیں تو اپنے آپ پر اپنے خاندان پر فخر کیوں؟ خاندانی تفاخر سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو جھکائے۔ اپنی حیثیت کے

بارے سوچے اور اپنے خاندان کا تذکرہ کرنا چھوڑ دے دوسروں کو مرعوب کرنے اور دبا کر نیچا دکھانے کے لئے اپنے آپ کو اعلیٰ ترین خاندان کا فرد بنا کر پیش کرنا نامناسب اور ناپسندیدہ ہے۔ اسلام میں تو عاجزی بہت پسندیدہ ہے۔

اچھی شکل وصورت کا تکبر۔ کسی نے اپنے حسن رنگ روپ اور جسمانی خوبصورتی پر تکبر کیا۔ حالانکہ تمام انسانی شکلیں تو اللہ تعالیٰ نے ہی تخلیق کی ہیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا

؎ یوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

بغض بھی ایک اخلاقی برائی ہے جو کہ نفرت، کینہ، بددلی اور کدورت کو کہتے ہیں۔ کسی انسان کو کسی برائی میں مبتلا دیکھیں مثلاً جھوٹ بولنے، چوری کرنے یا طنز کرنے کی عادت ہے تو اس برائی سے بغض رکھیں لیکن اس انسان سے بغض نہ رکھیں۔ اپنے دل کو ہر وقت بغض سے پاک رکھیں۔ بغض سب سے زیادہ نقصان خود بغض رکھنے والے کو پہنچاتا ہے، بغض اور عداوت انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں عطا کرے دوسروں کے سامنے اس کی خوبیاں بیان کریں۔ بغض کے باعث جو دل میں کدورت جمع ہے اسے کھرچ کر باہر نکالیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کیا قصور تھا بھائیوں کا حسد پھر بغض بن گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے محبت کی تو اللہ کے لئے، بغض رکھا تو اللہ کے لئے اور جس نے دیا تو اللہ کے لئے اور روکا تو اللہ کے لئے اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا'' (سنن ابی داؤد) اس حدیث کی رو سے اللہ کی خاطر بغض رکھنا اچھی بات۔ اپنے گناہوں کے خلاف بھی بغض رکھنا۔ شیطان سے بغض رکھنا۔ لہٰذا اخلاقی برائیوں سے بغض رکھیں گے تو ہی ان سے نجات پائیں گے۔

حسد ایک اور اخلاقی برائی ہے۔ جب ایک انسان کسی دوسرے انسان سے حسد کرتا ہے تو عین ممکن ہے وہ اپنے حاسدانہ جذبات سے مغلوب ہو کر عملی طور پر اسے نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائے۔ چنانچہ حاسدانہ نگاہ بذات خود بھی منفی اثرات کی حامل ہو سکتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (العین حق) یعنی نظر لگ جانا برحق ہے۔ اس

لئے حاسد کے شر سے بچنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ کی ضرورت ہے۔اگر چہ حاسد کی طرف سے جادوٹونے تعویز گنڈے، نظر بد کے اثرات اپنی جگہ مسلم ہیں مگر بندۂ مومن کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ناممکن ہے۔البتہ ان سے بچنے کے لئے حفاظتی تدابیر کے طور پر دوسورتیں (معوّ ذتین) کے ہوتے ہوئے ایک بندۂ مومن کو کسی اور عمل تعویز یا تدبیر کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سورتیں اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ کو سکھائی تھیں اور اس لحاظ سے یہ حضورﷺ کی وساطت سے امت کے لئے بیش بہا تحفے کا درجہ رکھتی ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ''رسول اللہﷺ کا یہ معمول تھا کہ ہر شب آرام کرنے سے پہلے آخری تین سورتیں (سورۃ الاخلاص اور معوّ ذتین) پڑھ کر اپنے مبارک ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر اپنے پورے جسم پر پھیر لیتے''۔اور حسد کرنے والے کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کا ذکر یوں آیا ہے و من شر حاسد اذا حسد (سورۃ فلق) اور حسد کرنے والے کے شر سے بھی (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) جب وہ حسد کرے۔مزید حسد، شیطانی اثرات اور نظر بد سے حفاظت کے لئے احادیث میں متعدد دعائیں وارد ہوئی ہیں جنھیں ہمیں اپنا معمول بنانا چاہیے۔جھوٹ منافقت کی علامات میں سے ایک ہے۔رسول اللہﷺ نے فرمایا ''منافق کی تین علامات ہیں: بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے، جب امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرتا ہے۔(صحیح بخاری) ایک اور روایت میں ہے ''چاہے وہ نماز پڑھے روزہ رکھے اور اپنے بارے گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے''۔(شعب الایمان) جھوٹ بولنے کی کئی وجوہات ہیں کہیں ماتحت کی حیثیت سے۔کہیں کسی کے مہمان یا کسی کے میزبان کی حیثیت سے، کہیں کاروبار کرتے وقت خرید وفروخت کرتے وقت، کبھی خوف کی وجہ سے، کبھی کسی ناگوار صورت حال سے سابقہ پیش آنے پر، کسی کا دل رکھنے کے لئے، ڈر کر اکثر بچے جھوٹ بولتے ہیں۔سستی کاہلی کی وجہ سے جھوٹ بولنا۔غیر حقیقی وعدہ کر کے جھوٹ بولنا۔بھول جانے کی وجہ سے جھوٹ بولنا۔بچوں کا دل بہلانے کے لئے جھوٹ بولنا۔اپنا یا دوسروں کا مرتبہ بڑھانے کے لئے جھوٹ بولنا۔کسی کو ٹالنے کے لئے جھوٹ بولنا۔پیسے کے لین دین میں جھوٹ بولنا۔عجلت یا تاخیر میں جھوٹ، ہنسی مزاح کے لئے لاڈ پیار میں لطیفہ گوئی میں ہر سنی سنائی بات بیان کرنے، کسی کی تعریف کرنے میں،

دام کم کروانے کے لیے اور جھوٹی گواہی دینا۔ یہ بہت بڑی معاشرتی برائی ہے۔ جھوٹ کا علاج یہ ہے کہ بولنے والے کو احساس دلائیں کہ جھوٹ بولنا بہت برا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ جھوٹ کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کو اختیار کر لیتا ہے انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں کذابین یعنی جھوٹ بولنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے''۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت اُمّ کلثومؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ کسی بات پر جھوٹ بولنے کی اجازت دیتے ہوں مگر تین باتوں میں کہ آپ ان کو جھوٹ نہیں سمجھتے تھے۔ جہاد میں، اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے میں اور خاوند کا اپنی بیوی سے یا بیوی کا اپنے خاوند سے (دلجوئی کی) باتیں کرنے میں۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ انسان جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان مصالحت کراتا ہے اور بہتر بات کی نسبت کرتا ہے یا اچھی بات کرتا ہے۔ (صحیح بخاری)۔

بے راہ روی، بدکاری، بے حیائی سے بچنا۔ شرم گاہ کی حفاظت، آنکھوں کی حفاظت، زبان کی حفاظت، کان کی حفاظت، ہاتھ پاؤں کی حفاظت، دل کی حفاظت، جن معاشرتی برائیوں کی نشان دہی کی گئی ہے ان سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کرنا۔ تاکہ ہمارے کردار میں پختگی آجائے، ہمارے قول و فعل کا تضاد ختم ہو جائے اور ہمارے اچھے اعمال میں اضافہ ہو جائے تاکہ ہماری دنیا و آخرت سنور جائے۔

حسن کردار سے نور مجسم ہو جا
ابلیس بھی تجھے دیکھے تو مسلماں ہو جائے

# تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

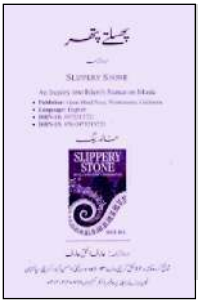


## 1 پھسلتے پتھر مسلم معاشروں میں موسیقی کی تاریخ اور اسلام میں جواز

تالیف: خالد بیگ ترجمہ: عارف الحق عارف

ناشر: مکتبہ دعوۃ الحق، اٹاوہ سوسائٹی، احسن آباد، کراچی

زیرِ تبصرہ جناب خالد بیگ صاحب کی کتاب Slippery Stone، جمالیاتی احساس اور فنِ موسیقی کے حوالہ سے انگریزی زبان میں ایک جامع تحقیق ہے جس کا عارف الحق عارف صاحب نے اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کا پیش لفظ ڈاکٹر محمود احمد غازی، مقدمہ سید سلیمان ندوی اور حرفِ چند مترجم نے تحریر کیا ہے۔ پہلا حصہ: تاریخی پس منظر میں، باب اوّل: اسلام اور شاعری، دوم: موسیقی۔ اسلام سے پہلے اور بعد میں، سوم: موسیقی اور میڈیا کا انقلاب، چہارم: ماہرین علومِ شرقیہ۔ دوسرا حصہ: اندھیرا چھٹتا ہے میں باب پنجم: اسلامی ماخذات کے متن 1 قرآن مجید، باب ششم: اسلامی ماخذات کے متن 2 احادیث، ہفتم: اسلاف کا نقطۂ نظر، باب ہشتم: سماع۔ اہلِ تصوف کا نقطۂ نظر، باب نہم: ملاہی کی بحث، دسواں باب: فقہاء کے فتاویٰ۔ تیسرا حصہ: اب کہاں؟ میں گیارہواں باب: موجودہ دور کے مسلمان معاشروں میں موسیقی، بارھواں باب: بحث مباحثے سے آگے اور ضمیمہ جات میں ضمیمہ نمبر 1- اناشید کے بارے میں فتاویٰ، ضمیمہ نمبر 2- تاریخ میں موسیقی کی بحث پر مشتمل ہے۔ آخر میں کتابیات کی فہرست دی گئی ہے۔

غناء ایک ایسی نشاط آور آواز ہے جسے قواعد کے مطابق ایسے ترتیب دیا جاتا ہے جس سے تلحین وطرب، کیف ومستی اور سُر پیدا ہوتے ہیں، خواہ وہ مزامیر کے ساتھ ہوں یا بلا ملاہی و معازف موسیقی کہلاتا ہے۔ یہ اصل میں ایک یونانی لفظ 'MOUSIKE' سے عربی زبان میں داخل ہوا۔ اس کتاب کا مقصود شریعتِ اسلامی کا یہ مطلوب ہے کہ اہلِ ایمان اپنے اعمال پر مسلسل نگاہ رکھیں اور ایسے معمولات جو سفلی ومنفی جذبات کو اجاگر کریں سے اجتناب برتیں۔ موسیقی کے بارے میں مصنف نے مدلل انداز میں اسلامی نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔ فنونِ لطیفہ سے دلچسپی رکھنے والوں اور کتب خانوں کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔ (صفحات: 354، قیمت انگلش کی اصل کتاب: 20 امریکی ڈالر)

## 2 صنوبر جاگتا ہے

شاعر: علی کوثر جعفری

ناشر: کیڈٹ کالج جھنگ پبلی کیشنز

زیرتبصرہ شعری مجموعہ جذبوں کی صداقت اور خلوص ومروت سے لبریز ایک خوبصورت تخلیق ہے۔ گو شاعر کی یہ بات کہ انہوں نے ضلع جھنگ کے تمام شعراء سے استفادہ کیا ہے نہایت وسعت قلبی کی دلیل ہے اور ایک حقیقت بھی ہے۔ اس لیے کہ شعراء کی صف میں ایک نو وارد ہونے کے باوجود ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے اُن کی غزلیات عروضی محاسن کی آئینہ دار ہیں۔ حسن سلاست ہو، روادواں بحور میں نفاست ہو یا سخن سنجی کی فنی ریاضت ہو، ان تمام شعری اوصاف کو انہوں نے انتہائی خوش اسلوبی سے نبھایا ہے۔ بالخصوص ان کی نظم 'میرا جھنگ' میں اپنے فراواں قلبی جذبات محبت کو اپنے اشعار کے سلک مروارید میں پرو دیا ہے۔

دیکھ کر جس سرزمین کو ہوگئی فطرت بھی دنگ
چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا جھنگ

جھنگ ایک ایسا مردم خیز خطہ ہے جس میں ایسے نامور شعرائے کرام جنھیں ادبی حلقوں میں ایک مقام حاصل ہے، نے جنم لیا۔ انہی میں بیدل پانی پتی، حنیف باوا، رام ریاض، رفعت سلطان، سمیع اللہ قریشی، سید حسن، صفدر سلیم سیال، علی کوثر جعفری، شیر افضل جعفری، ظفر ترمذی،

عبدالعزیز خالد، غلام بھیک نیرنگ، مجید امجد، ڈاکٹر محمد اسلم، مظہر اختر اور معین تابش کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ طباعت کا حسن لیے یہ شعری مجموعہ کتب خانوں کے ذخائر میں حسین اضافہ اور ناگزیر ضرورت ہے۔ دلدادگان شعر وادب کے مطالعہ کے لیے ارزاں نرخ پر ایک نایاب تحفہ ہے۔ (صفحات: 184، قیمت: 400 روپے)

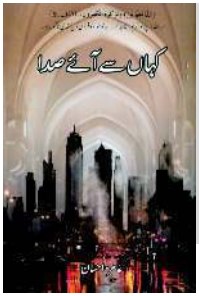


## 3 کہاں سے آئے صدا

تالیف: عامرہ احسان

ناشر: گوشۂ علم وفکر، اسلام آباد

زیر تبصرہ کتاب کی مصنفہ ایک کالم نگار بھی ہیں انھوں نے روزنامہ ''اسلام'' میں شائع شدہ اپنے مضامین کو اس کتاب میں جمع کیا ہے۔ یہ کتاب نوجوان نسل کی ذہنی وفکری تربیت کا نصاب ہے۔ اس لیے کہ یہ مجموعہ مضامین قرآن وسنت کی ضیاپاش کرنوں اور کلام اقبال کے جواہر ریزوں سے لبریز ہے۔ جو ذہن وقلب کو منور ومعمور کرنے کی بھرپور صلاحیت کا حامل ہے۔ مصنفہ چونکہ ماہر حیاتیات بھی ہیں لہٰذا وہ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کے تضادات کے پرخچے اڑادیتی ہے اور اقبالیات کے حیات آفریں پیغام کو نصابِ تعلیم کا حصہ بنانے پر مصر ہے۔ ان کا طرز استدلال دینی، منطقی اور جدید ذہن کی سطح پر اتر کر مسحور کن ہے۔

عناوین کی فہرست: پیش لفظ، معرکہ روح وبدن، گزارشات، کہاں سے آئے صدا، یورپ: اصلاح مذہب تا ردّ مذہب، عالم ہمہ ویرانہ، ماڈریٹ اسلام..... کیوں اور کیسے؟، مدرسہ ڈسکورس: وہی دیرینہ بیماری! سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ سے مجھے، نسوانیت کی موت، اور 'عذبٌ فرات یا ملحٌ اُجاج' (میٹھا خوش گوار یا کھاری کڑوا) پر مشتمل ہے۔

زیر تبصرہ تالیف میں مصنفہ کا مضمون مدرسہ ڈسکورس: وہی دیرینہ بیماری! انتہائی اہم اور قابل مطالعہ موضوع ہے۔ جس میں انہوں نے امریکہ کی یونیورسٹی آف نوٹرے ڈیم (انڈیانا) کے اس پروجیکٹ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ بقول حکیم الامت علامہ اقبال:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا　　اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا　　آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

سوسارے ڈسکورس چھوڑ کر قرآن میں ہوغوطہ زن اے مردمسلماں کا درس دیا گیا ہے۔ دینی مدارس کے طلباء کے لیے انتہائی اہم اور کتب خانوں کے لیے نادر تحفہ ہے۔ (صفحات:168)

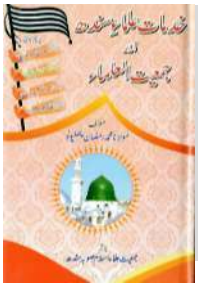

## 4 خدمت علماء سندھ اور جمعیت العلماء

تالیف: محمد رمضان پھلپوٹو
ناشر: جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ

زیر تبصرہ تصنیف کاروانِ ولی اللّٰہی کا تسلسل جمعیت العلماء کی صد سالہ سیاسی جدوجہد کی وہ داستان ہے جس میں قافلہ شیخ الہند کے علماء کرام و مشائخ عظام سندھ کی خدماتِ جلیلہ کا تذکرہ ہے۔ کتاب کے ابواب کے عنوانات یہ ہیں: باب اوّل: مشائخ و علماء قادریہ راشدیہ کی سیاسی و جہادی خدمات۔ باب دوم: مشائخ قادریہ راشدیہ کی سیاسی و جہادی خدمات۔ باب سوم: جمعیۃ الانصار اُم الجماعت۔ باب چہارم: تحریک ریشمی رومال میں سندھ کا حصہ اور کردار۔ باب پنجم: خانقاہ ہالیجی شریف کی سیاسی خدمات۔ باب ششم: جمعیۃ علماء اسلام اور سندھ کے علماء۔ آخر میں فہرست مصادر و مراجع دی گئی ہے۔ آزادیٔ وطن پر تحقیقی تصنیف کے علاوہ فرنگی سامراج کے جبر و استبداد کے خلاف فقید المثال جدوجہد کی ایک ایسی مستند تاریخ ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے ایک درس اور احیاء اسلام کی تحریکوں کی رہنما ہے۔ شاعر مشرق نے عالم اسلام کو اسی طرف توجہ مبذول کرنے کی تلقین فرمائی تھی۔

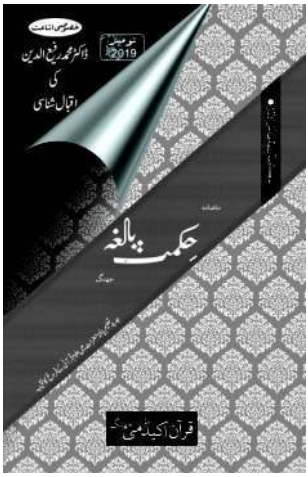


ماہنامہ **حکمت بالغہ** کی خصوصی اشاعت
(نومبر 2019ء)

**ڈاکٹر محمد رفیع الدین**
**کی**
**اقبال شناسی**

# پر اہل علم کے تأثرات

## 1 ڈاکٹر شفیق عجمی۔ لاہور

''حکمت بالغہ'' کا تازہ شمارہ موصول ہوا، ڈاکٹر رفیع الدین کے ایک طالب علم اور ریسرچر کی حیثیت سے میرے لیے اس کی خاص اہمیت ہے۔ البتہ چند نکات پر آپ کی توجہ درکار ہے:

1۔ دراصل ''علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین (علمی اور فکری تقابل)'' میرے ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے، تالیف نہیں، جیسا کہ ص 246 کے اشتہار میں لکھ دیا گیا ہے۔

2۔ مذکورہ تصنیف کے پچاس صفحات کو شمارے میں شامل کیا گیا ہے جو تلخیص نہیں انتخاب کے زمرے میں آتے ہیں۔

3۔ مشمولہ حصوں کے حواشی و حوالہ جات کو حذف کر دیا گیا ہے جو تحقیق کی اساس ہیں اور قاری مآخذ جاننے سے محروم رہتا ہے۔ ایسی صورت میں تحقیق اور محقق کے بارے کوئی حتمی رائے قائم کرنا ممکن نہیں رہتا۔

مندرجہ بالا معروضات کی اہمیت آپ سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے۔ یہ شکایت نہیں وضاحت ہے اور امید ہے کہ آئندہ شمارے میں اسے شائع کیا جا سکے گا۔ شکریہ۔

## 2 مولانا محمد الیاس بالاکوٹی، سیٹلائٹ ٹاؤن جھنگ

عافیت کا طلبگار رہوں۔ مجھے آج دل نے اس پر مجبور کیا کہ میں بھی آپ کی مذہبی حمیت دینی سلامتی فکر اور مضبوط قوتِ ارادی اور استقامت سے راست روی سے اشاعتِ حق میں مصروفیت کو خراج عقیدت پیش کروں۔ لہٰذا یہ چند جملے لکھ رہا ہوں

میں عرصہ دراز سے صاحب فراش ہونے کے باعث کئی مرتبہ آپ کی خاص محافل میں شرکت کا داعیہ پیدا ہونے کے باوجود شرکت سے محروم رہتا ہوں اور کئی مرتبہ چاہت کے باوصف عملی طور پر قریب ہونے کے باوجود دور ہوں۔ آپ کا حکمت بالغہ واقعی حکمت بالغہ ہی ہے۔

خاص کر خصوصی اشاعتیں میرے پاس علمی سوغات اور معلوماتی سرمایہ ہیں، جن سے وقتاً فوقتاً اپنی علمی پیاس بجھاتا رہتا ہوں۔ دل سے دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ قبول فرماویں اور مزید ترقی سے ہمکنار فرمادیں نیز اس چشمہ صافی کو بہتا رکھیں تاکہ ماوشما جیسے کئی اذھان وقلوب سیراب ہوتے رہیں آمین۔

## 3 پروفیسر مہر غلام سرور جھنگ

ماہنامہ حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت بعنوان ''ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی'' بندہ کے ہاتھ میں ہے ویسے تو ہر ماہ حکمت بالغہ زیر مطالعہ آتا ہے اس ماہنامہ نے قلیل عرصہ میں ناقابل یقین سفر کر کے نہ صرف پاکستانی بلکہ عالمی سطح پر قابل رشک درجہ حاصل کر لیا ہے۔ نومبر کے اس ضخیم شمارہ کے حاصل ہونے کے ساتھ ہی ایک اہم ذمہ داری بھی سپرد ہوئی ہے کہ اس شمارہ پر تبصرہ کروں۔ جہاں یہ میرے لیے اعزاز ہے وہاں مجھے کم علمی کا بھی احساس ہے۔

شروع میں تو مجھے لگا کہ ڈاکٹر موصوف کی اقبال شناسی انجینئر مختار فاروقی کی اقبال شناسی سے پس منظر میں چلی گئی ہے تاہم انجینئر صاحب کی اقبال شناسی میں کہیں کہیں ڈاکٹر صاحب کے اپنے الفاظ میں اقبال کا ابدی پیغام پوری انسانیت کے لیے 'پیغامِ محبت' ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ میں انسان سے ستر گنا ماؤں کی سچی محبت سے بھی زیادہ پیدا کرتا ہوں۔ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کا منفرد پیغام انسانیت کی ہدایت اور محبت تھا اور اسی راہِ حق میں گوناں گوں تکالیف ومصائب برداشت کیے یہاں تک کہ اپنی جانیں تک بھی قربان کر دیں۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: بیت اللہ! تو مجھے بے حد پیارا ہے تو بہت عظیم ہے تیری ہوائیں واقعتاً بہت دل نواز اور عظیم ہیں مگر واللہ انسان کا ایک معصوم بچہ کی حرمت و جان عظیم تر ہے۔ اوپر بیان ہو چکا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کا یہی ابدی پیغام ہے۔

آج بھی علامہ اقبال، ڈاکٹر محمد رفیع الدین اور اہل حق کا یہی مشن اور پیغام ہے ان کی تڑپ، اضطراب، لگن اور تگ و دو اسی مقصد کے حصول کے ارد گرد گھومتی ہے کوئی اللہ کا نیک بندہ یہ کبھی بھی پسند نہ کرے گا کہ شخص چاہے مخالف ہی کیوں نہ ہو، دوزخ کی آگ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایندھن بن جائے۔ مگر آج کل تو سوچیں اور رویے الٹی گنگا بہہ رہے ہیں اپنے ملک میں خاص کر اور پوری دنیا میں ہوسِ زر، زمین، زن، اقتدار کی آگ کے بھانبڑ بھڑک رہے ہیں۔ رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تمہاری نسبت (جنتیوں کی) ایسے ہوگی (دوزخیوں کے مقابلے میں) جس طرح ایک سیاہ رنگ کے بیل پر ایک سفید بال یا سرخ رنگ کے ایک بیل پر سیاہ بال۔ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ)

اقبال شناسی پر ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، ڈاکٹر شفیق عجمی، ڈاکٹر عباد اللہ فاروقی نے اپنے امتیازی اور منفرد انداز ہیں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے حوالہ سے گفتگو فرمائی ہے یہ چاروں حضرات ڈاکٹر رفیع الدین کے معاصرین میں شامل ہیں ڈاکٹر موصوف سے انجینئر مختار فاروقی بھی طالب علمی کے زمانے میں متعدد ملاقاتیں کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ اقبال نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کے محسن ہیں پوری انسانیت کو جھنجھوڑا کہ اگر دنیا میں اور آخرت میں سرخروئی کے طلبگار ہو تو آؤ قرآن کی طرف اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی طرف ـــــ ان کے علاوہ کامیابی وفلاح کا کوئی راستہ نہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (208:02)

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (132:03)

اقبالؒ فرماتے ہیں:

گر تو می خواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

جب آپ نے دیکھا کہ ہندوستان میں کانگرس کے ہندو انگریز اور دوسری یورپی

غیر مسلم طاقتیں مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہیں تو پھر آپ نے برصغیر کے مسلمانوں کو خاص طور پر اور دنیا کے مسلمانوں کو عظمت رفتہ کے حوالے دے کر بیدار ہونے اور غلامی کی زنجیریں توڑنے کے لیے ابھارا ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں  جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا  نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری  تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے  آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

اقبال کا زور 'خودی' پر ہے حقیقت میں خودی کسی انانیت، نفسانیت یا تکبر وغرور کا استعارہ نہیں بلکہ یہ اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کا درخشاں راستہ ہے ؎

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی  خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان، کرسی و عرش  خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

جن کو عبرت پکڑنی ہو، گناہ آلودہ زندگی کو ترک کر کے سچی توبہ کر کے قرآن و سنت کے ارشادات کے مطابق ڈھالنا ہو تو افغانی طالبان کی مثال کو سامنے رکھیں جنہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں امریکہ اور نیٹو کی لاکھوں کی افواج کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا  تو آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

اقبال کا پیغام یہ ہے کہ مسلمان ملک پرستی، قوم پرستی، وطن کا کفن تار تار کر کے یک جہت اور متحد ہو جائیں تو مودی، ٹرمپ وغیرہ خس وخاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے  جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق الٰہی
دو نیم ران کی ٹھوکر سے صحرا و دریا  سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

## 4 شوکت حسین انصاری، ملتان

اللہ رب العزت سے آپ کی اور آپ کے ادارے انجمن خدام القرآن جھنگ اور اس میں کام کرنے والے تمام ساتھیوں کی خیریت چاہتا ہوں۔ ادارہ ہذا کی جانب مجھ ناچیز کو ماہنامہ حکمت بالغہ باقاعدگی سے موصول ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے آمین۔ رسالہ

کے مضامین چشم کشا ہوتے ہیں اور آنے والے عالمی حالات سے آگاہی بھی ہوتی ہے نیز علامہ اقبال کی شاعری کی سمجھ بھی حاصل ہوتی ہے۔

تازہ شمارہ نومبر 2019ء ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی موصول ہوا۔ رسالہ کی جسامت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اور آپ کے ادارہ نے بہت محنت کر کے رسالہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہوگا۔ اس کو پڑھ کر اپنے تاثرات بھی ارسال کروں گا۔ ایک بار پھر آپ کا ممنون و مشکور ہوں کہ بندہ ناچیز کو یہ رسالہ ارسال کرتے ہیں میں اسے پڑھ کر آگے ایک تنظیمی دوست ہیں ٹیچر ہیں اور شدت سے رسالہ کا انتظار کرتے ہیں ان کو دے دیتا ہوں۔

## 5 الحاج محمد ظہور الحسن قادری، کمالیہ

ماہنامہ حکمت بالغہ ماہ نومبر 2019ء کا خصوصی شمارہ ''ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی'' پر شائع ہوا ہے۔ مدیر اعلیٰ حکمت بالغہ انجینئر مختار فاروقی صاحب ہر سال ماہ نومبر میں ایک علمی اور فکری شمارہ شائع کرتے ہیں۔ مختار فاروقی صاحب علامہ محمد اقبال کے شیدائی ہیں۔ ان کی فکر اور تعلیمات کو فروغ دینا ان کی زندگی کا نصب العین ہے اس سے قبل 2015ء میں ایک خصوصی شمارہ بنام ''حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے'' شائع کر چکے ہیں۔ مختار فاروقی صاحب اس شمارہ سے پہلے بھی ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی تعلیمات علامہ اقبال کے حوالے سے ان کی نہایت ہی فکری کتاب ''حکمت اقبال'' قسط وار شائع کرتے رہتے ہیں۔ موجودہ خصوصی شمارہ دس حصوں میں شائع کیا گیا ہے۔ پہلے چار حصوں میں ''مستقبل کی ریاست کا ایک خاکہ'' پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے چار حصوں میں ''مستقبل کی اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر نظریۂ خودی'' پر ہے اور آخری دو حصوں میں ''اقبال شناسی یعنی فکر اقبال کی روشنی میں پاکستان کو اسلامی جمہوری فلاحی ریاست'' کیسے بنانا ہے، اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی تمام کتب کے بارے میں تفصیلات شائع کیں ہیں۔ جن میں قرآن اور علم جدید، روح اسلام، منشور اسلام، پاکستان کا مستقبل اور ان کی فکر انگیز کتاب حکمت اقبال کا مکمل تعارف اور مضامین کا اظہار کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کو شمارہ کے حصہ ہفتم میں بڑی ایمان افروز تشریح کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔

اس شمارے کا ایک خصوصی پہلو یہ بھی ہے کہ مختار فاروقی صاحب نے اپنی تعلیمی

سرگرمیوں، ڈاکٹر اسرار احمد سے وابستگی اور اپنی تجارتی مصروفیات کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے جسے پڑھ کر مختار فاروقی صاحب کی زندگی کے مختلف گوشے وا ہوئے ہیں۔ اس خصوصی شمارہ کے شائع کرنے کے اغراض ومقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ مسلمانانِ پاکستان کی ذمہ داریاں

2۔ ملت اسلامیہ میں خلافت اسلامیہ کا احیاء وقیام

3۔ اسلامی فرائض (QURANIC OBLIGATIONS) کا احساس وترویج ہے۔

نیز احادیث مبارکہ میں یہ بات بتادی گئی ہے کہ قربِ قیامت کسی ملک میں ضرور خلافت اسلامیہ قائم ہوگی۔ پھر یہ نظام خلافت دیگر ممالک میں فروغ پاکر عالمی خلافت اسلامیہ کا روپ دھار لے گی۔ فکر اقبال کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا کہ یہ پاکستان کے قیام کی بنیاد ہے اسے پوری دنیا میں پھیلانا ہوگا تاکہ دنیا کا گوشہ گوشہ اسلام کے نور سے منور ہوجائے۔ آپ نے بڑے وثوق اور یقین سے تحریر فرمایا کہ بحکم قرآن دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور آکر رہے گا خواہ دنیا بھر کے کافروں اور مشرکوں یعنی یہود ہنود اور نصاریٰ کے گٹھ جوڑ کے باوصف ہوکر رہے گا اور کئی احادیث مبارکہ کی رو سے قیامت کے قریب اسلام روئے ارضی پر غالب ہوکر رہے گا۔ اسی تصور کو علامہ اقبال کے کلام سے ثابت کیا۔

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ماسوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح وقلم تیرے ہیں

مختار فاروقی صاحب نے خلافت اسلامیہ کے قیام کا عملی لائحہ عمل یوں تحریر فرمایا ہے:

(i) کہ مساجد کے آئمہ خطبات جمعہ میں خلافت اسلامیہ کے قیام کے سلسلہ میں پاکستان کے عوام کو تحریک MOTIVATE کریں گے۔

(ii) سکولوں، کالجوں اور دیگر تعلیمی وتحقیقی اداروں میں فکر اقبال اور اس کے حقیقی غرض و غایت پر کام کریں گے تاکہ اجتماعی طور پر پھر سے خلافت اسلامیہ کا دوبارہ احیاء ہوجائے اور پھر یہ

قیام عالمی نوعیت کا ہو جائے گا۔

مدیر مسئول نے اپنے دل کا درد کھول کر اہل پاکستان کے سامنے رکھا ہے کہ گذشتہ 80 سال علامہ اقبال کے خیالات، افکار کو مسلمان عوام اور بالخصوص پاکستان کے عوام کے ذہنوں سے جس طرح مغرب نے حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی ناپاک کوششیں کی ہیں، نصاب سے نکلوایا سکولوں میں ان کی نظمیں پڑھی جاتی تھیں وہ ختم کرادیں اور افسوس ناک بات یہی ہے کہ یہ سب اس منحوس مغربی استعمار نے بدنصیب اور بدقسمت مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں ہی کرایا ہے اور آخر میں تو علامہ اقبال کے یومِ وفات پر سرکاری چھٹی بھی ختم کر دی گئی تاکہ نوجوان نسل کے ذہنوں سے علامہ اقبال کے افکار اور ان کی عظمت کو کھرچ کھرچ کر نکال دیا جائے۔ ان ناپاک کوششوں کو فروغ دینے میں کس کس دور میں کس کس ''پردہ نشیں'' نے دولت اور ہوس اقتدار کے لالچ میں یہ ''فرض'' ادا کیا اس کا فیصلہ روز محشر ہو کر رہے گا وہ ذلت اور رسوائی سے دوچار ہو کر رہیں گے۔

الغرض عصر حاضر میں فروغ فکر اقبال پر کیسے کام کیا جائے ایک اہم نکتہ بیان کیا ہے۔ بس! پولیٹیکل اسلام کا تذکرہ نہ کیا جائے اور اسلام کے غلبے کا بار بار پرچار نہ کیا جائے کیونکہ اس کے نتیجے میں یہود و نصاریٰ کی جانب سازشوں کے جال بچھائے جائیں گے۔ مسلم حکمرانوں کے ضمیر کو خریدا جائے گا اور اپنے دجالی نظام کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ اس کا مطلب؟ عقلمند را اشارہ کافی است!

انجینئر مختار فاروقی صاحب نے ''ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی'' پر خصوصی اشاعت کا اہتمام کر کے فروغِ فکر اقبال پر بہت بڑا علمی و فکری کام کیا ہے جس سے ہماری نوجوان نسل بے حد مستفید ہوتی رہے گی۔

## 6 پروفیسر عبدالخالق سہریانی بلوچ، کندھ کوٹ، سندھ

حکمت بالغہ کا خصوصی نمبر موصول ہوا، مشکور ہوں۔ حضرت علامہ اقبال رحمہ اللہ کے شارح کی حیثیت میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ علامہ محمد اقبال کی تصانیف اہل علم کے لیے ایک روشن مینار کی حیثیت رکھ ہے بیداری

امت کے سلسلہ میں ان کی تعلیمات کو بڑا دخل حاصل ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے حضرت علامہ اقبال کی تعلیمات کی شرح کے سلسلہ میں جو خدمات سرانجام دیں ان کا تعارف آپ نے جس انداز میں پیش فرمایا ہے وہ نہایت ہی قابل قدر ہے۔اس سے پیشتر اس قسم کی تو کوئی مثال نہیں ملتی۔آپ نے حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعتوں میں ایک گراں قدر اضافہ فرما دیا ہے خدا کرے کہ امت مسلمہ کے نوجواں اس سے استفادہ کرسکیں۔اس وقت جو حضرات اس خصوصی اشاعت سے استفادہ کرسکیں گے وہ اپنی عمر کے اس حصہ میں داخل ہو چکے ہوں گے جو ڈاکٹر رفیع الدین کے لیے صرف دعا ہی کرسکیں گے۔

خصوصی اشاعت پر مبارک باد عرض کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔آمین

## 7 حافظ مختار احمد گوندل، سابق ڈپٹی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لاہور

زیر تبصرہ 336 صفحات پر مشتمل 'ماہنامہ حکمت بالغہ' کی 13 خصوصی اشاعت ہے۔جس میں معروف اقبال شناس ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی اقبال شناسی پر عقیدت و ارادت اور فکر اقبال کے بارے میں گل ہائے تروتازہ پیش کیے گے ہیں۔

حکیم الامت علامہ اقبال جیسی کثیر الجہت شخصیت پر اہل علم تقریباً ایک صدی سے طبع آزمائی کرتے چلے آرہے ہیں اسی قافلہ اقبال شناسان میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ایک نامور شخصیت ہیں اور عصر حاضر میں فکر اقبال کی تشہیر و اشاعت میں جو ادارے اور شخصیات مصروفِ عمل ہیں۔انہی میں ایک نام مدیر مسئول محترم انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کا بھی ہے۔جو صبح و مساء فکر اقبال کی ترویج اور اس کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کرنے میں سرگرداں ہیں۔جس کا عملی اظہار زیر تبصرہ حکمت بالغہ کا یہ شاہکار شمارہ ہے۔جس کا حرف آرز و خصوصی طور پر قابل مطالعہ ہے۔تاہم بمصداق شاعر:

به ضبط جوش جنوں کوش در مقام نیاز
به هوش باش و مرو باقبائے چاک آنجا

زیر تبصرہ شمارہ تمہید کے علاوہ دس حصوں پر مشتمل ہے:

حصہ اوّل تعارفِ اقبال: شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر عمومی نظر
حصہ دوم علامہ اقبال کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر عمومی نظر
حصہ سوم جنوبی ایشیا کے محکوم مسلمانوں کے لیے مستقبل کی آزاد ریاست کی ضرورت
حصہ چہارم علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے حالاتِ زندگی اور کام
حصہ پنجم ڈاکٹر محمد رفیع الدین: اقبال شناس و شارح اقبال
حصہ ششم ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی کا اظہار ___ تصانیف
حصہ ہفتم ڈاکٹر محمد رفیع الدین: شارحِ اقبال سے اقبال شناس
حصہ ہشتم نظریۂ خودی کی اساس پر ریاست کی تشکیل
حصہ نہم اقبال شناسی سے فکرِ اقبال کی تعمیل کی طرف
حصہ دہم تجسیمِ فکرِ اقبال

نہایت ارزاں قیمت پر معلومات سے لبریز اس قدر ضخیم شمارہ دانش جویانِ اقبال کے لیے ایک غیر مترقبہ نعمت ہے۔ کتب خانوں کی زینت اور شعبہ ہائے اقبالیات جامعات کے لیے ناگزیر ہے۔

## 8 ہفت روزہ ندائے ملت لاہور 14 تا 20 نومبر 2019ء

انجینئر مختار فاروقی علم و دانش کی ناقدری کے اس دور میں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ جھنگ سے ایک ایسے جریدے کی اشاعت جاری رکھے ہوئے ہیں جس کا مقصد وحید ''جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علومِ قرآنی کا فروغ'' ہے۔ وہ ہر سال حکمت بالغہ کی ایک خصوصی اشاعت پیش کرتے ہیں۔ اس کی اشاعت کے تیرہ برسوں میں اب تک 13 خصوصی اشاعتیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ حقیقت انسان، حقیقت علم، احیاء العلوم، دوقومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظام تعلیم، حقوقِ نسواں، یاجوج ماجوج، الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ، جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش، حکمت اقبال ہی نظریہ پاکستان ہے، احیائے فکر اقبال، بادشاہ، پرنس اور ارب پتی یا درویش حکمران، وسائل رزق پر قبضہ، ارتکاز دولت.....اور، ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ایک بڑے اقبال شناس اور ماہر تعلیم تھے۔ وہ

ISLAMIC EDUCATION کے نام سے ایک ماہنامہ بھی شائع کرتے تھے۔ مختار فاروقی نے ان کی اقبال شناسی کو اپنے جریدے کی خصوصی اشاعت میں اجاگر کر کے ایک اہم علمی وملّی خدمت انجام دی ہے۔ ان کے نزدیک ''فکر وحکمت اقبال اس لیے اہم ہے کہ یہ ریاست پاکستان کی بنیادی فکر ہے اور پاکستان کو دنیا میں عزت کا مقام دلانے کے لیے اس فکر کو عملاً پاکستان اور بعدازاں پوری دنیا تک پھیلانا ہوگا''۔

''حکمت بالغہ'' کی زیرنظر خصوصی اشاعت دس حصوں اور ضمیمہ جات پر مشتمل ہے۔ پہلے چار حصہ کا عنوان ''مستقبل کی ریاست کا ایک خاکہ'' ہے۔ حصہ پنجم تا حصہ ہشتم کو ''مستقبل کی اسلامی ریاست کی تشکیل وتعمیر نظریۂ خودی پر'' کا عنوان دیا گیا ہے جبکہ آخری دو حصے ''اقبال شناسی یعنی فکر اقبال کی روشنی میں پاکستان کو اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بنانا'' سے بحث کرتے ہیں۔ حصہ اول میں ''علامہ اقبال کی کثیر الاطراف شخصیت'' کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علامہ اقبال مرحوم کے بطور معلم، سماجی کارکن، انقلابی شاعر، مصلح، قومی رہنما، داعی قرآن، ترجمان القرآن، عاشق رسول، داعی انقلاب، داعی جہاد، مبشر پاکستان، نقیب عالمی غلبہ اسلام اور ایک ویژنری انسان.....مختلف پہلوؤں پر کما حقہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ حصہ ہفتم میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے تین فکر افروز مضامین شامل ہیں، 1۔ اسلام میں آزادی اور ترقی کا مفہوم 2۔ قومی کردار 3۔ مستقبل کا نعرہ اور ''ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے تعلیمی نظریات'' پر عباداللہ فاروقی کا مضمون سیر حاصل ہے۔ ''نظریۂ خودی کی اساس پر ریاست کی تشکیل'' میں تین عنوانات ''کرم کتابی''، ''حدی''، اور ''انقلاب'' کے تحت اقبال کے فارسی کلام سے استفادہ کیا گیا ہے، ساتھ سلیس اردو ترجمے نے تفہیم کو خوب تر بنا دیا ہے۔ حصہ ہشتم میں ''مراحل انقلاب'' (از ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم) انقلاب نبوی ﷺ (کامل انقلاب کی واحد مثال)، انقلابی عمل کے لوازم ومراحل اور ''منہج انقلاب نبوی'' کا احاطہ کرتا ہے۔

# آئینہ
# حکمتِ بالغہ
# 2019ء

سال 2019ء کے تمام شماروں کے مضامین کی فہرست کو یکجا کر کے ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں تا کہ تمام مضامین کو ایک نگاہ میں دیکھنے اور کسی مضمون کی تلاش میں آسانی ہو سکے۔

## مشمولات — جنوری 2019ء


| نمبر | مضمون | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|---|
| 1 | قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات | (29-26:02) | 3 |
| 2 | بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات | | 5 |
| 3 | حرفِ آرزو۔ | انجینئر مختار فاروقی | 6 |
| 4 | قانونِ تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ (2) | محمد متین خالد | 10 |
| 5 | فہم قرآن_ ایک تشنہ پہلو | ڈاکٹر محمد سرشار خان | 25 |
| 6 | فتنۂ مال | محمد رشید عمر | 34 |
| 7 | پاکستانی سکولوں میں بچوں کو کیا پڑھایا جا رہا ہے | پروفیسر سیّد خالد جامعی | 40 |
| 8 | ..........کیا میڈیا کا احتساب ممکن ہے؟ | محمد منظور انور | 50 |
| 9 | رحمت للعالمین ﷺ سیمینار رپورٹ | | 56 |
| 10 | خصوصی اشاعت پر اہل علم کے تاثرات | | 59 |


## مشمولات — فروری 2019ء


| نمبر | مضمون | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|---|
| 1 | قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات | (33-30:02) | 3 |
| 2 | بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات | | 5 |
| 3 | حرفِ آرزو۔ | انجینئر مختار فاروقی | 6 |
| 4 | افتتاحی کلمات: رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﷺ سیمینار | انجینئر مختار فاروقی | 14 |
| 5 | فہم قرآن_ ایک تشنہ پہلو(2) | ڈاکٹر محمد سرشار خان | 24 |
| 6 | قرآن حکیم سے اقبال کی وابستگی | ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی | 31 |
| 7 | 'روحِ محمد ﷺ اُن کے بدن سے نکال دو' | اللہ بخش فریدی | 38 |
| 8 | عظمتِ صدیق اکبر (ابوبکر) رضی اللہ عنہ | پروفیسر مہر غلام سرور | 43 |
| 9 | ...........ہیپی نیو ائیر، ویلنٹائن ڈے اور بسنت | محمد منظور انور | 51 |
| 10 | خصوصی اشاعت پر اہل علم کے تاثرات | | 57 |
| 11 | تبصرہ وتعارف کتب | | 62 |


## مشمولات — مارچ 2019ء


| نمبر | مضمون | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|---|
| 1 | قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات | (39-34:02) | 3 |
| 2 | بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات | | 5 |
| 3 | حرفِ آرزو | انجینئر مختار فاروقی | 6 |
| 4 | علامہ اقبال_ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان | انجینئر مختار فاروقی | 9 |
| 5 | پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ جو انقلاب لائے...... | اوریا مقبول جان | 17 |
| 6 | حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر (3) | ڈاکٹر محمد رفیع الدین | 34 |
| 7 | ......امر بالمعروف ونہی عن المنکر | شمس الحق اعوان | 44 |
| 8 | سلطان علاؤالدین خلجی کا معاشی فلاح کا پروگرام | مفتی عبدالقدیر | 48 |
| 9 | اُسوۂ ہادیٔ برحق ﷺ اور ہماری عملی زندگی | عبدالرشید ارشد | 49 |
| 10 | رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو...... | محمد منظور انور | 51 |
| 11 | تبصرہ وتعارف کتب | | 56 |
| 12 | خصوصی اشاعت پر اہل علم کے تاثرات | | 59 |


## مشمولات — اپریل 2019ء


| نمبر | مضمون | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|---|
| 1 | قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات | (46-40:02) | 3 |
| 2 | بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات | | 5 |
| 3 | حرفِ آرزو | انجینئر مختار فاروقی | 6 |
| 4 | یورپ کی ایک ہزار سالہ تاریخ کی پہلی پسپائی | اوریا مقبول جان | 11 |
| 5 | افغانستان، پاکستان اور تاریخ کا ایکشن ری پلے! | عاصم اللہ بخش | 22 |
| 6 | حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر (4) | ڈاکٹر محمد رفیع الدین | 26 |
| 7 | چینی سنکیانگ جو کبھی اسلامی مشرقی ترکستان...... | رضی الدین سیّد | 35 |
| 8 | احتیاط! کوئی دیکھ نہ لے، کوئی سن نہ لے!! | عبدالرشید ارشد | 44 |
| 9 | ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے نیا استعماری...... | محمد انیس الرحمٰن | 46 |
| 10 | مختصر سوانح حیات شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال | محمد منظور انور | 53 |
| 11 | خصوصی اشاعت پر اہل علم کے تاثرات | | 60 |

| | | | |
|---|---|---|---|
| 9 | آزادیٔ کشمیر کا خواب پورا ہو کر رہے گا..... | محمد منظور انور | 57 |
| 10 | تبصرہ وتعارف کتب | | 63 |


## مشمولات نومبر 2019ء

خصوصی اشاعت: ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی


| | | |
|---|---|---|
| مستقبل کی ریاست کا ایک خاکہ | تمہید | 7 |
| | حصہ اوّل | 27 |
| | حصہ دوم | 53 |
| | حصہ سوم | 83 |
| | حصہ چہارم | 101 |
| مستقبل کی اسلامی ریاست کی تشکیل وتعمیر نظریۂ خودی پر | حصہ پنجم | 149 |
| | حصہ ششم | 177 |
| | حصہ ہفتم | 195 |
| | حصہ ہشتم | 247 |
| اقبال شناسی یعنی فکر اقبال کی روشنی میں پاکستان کو اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بنانا | حصہ نہم | 283 |
| | حصہ دہم | 309 |
| | ضمیمہ جات | 333 |



| | | | |
|---|---|---|---|
| 9 | قرآن اکیڈمی جھنگ میں جمعۃ المبارک کے ایک پروگرام میں شرکت، مختصر رپورٹ | عبداللہ | 63 |


## مشمولات دسمبر 2019ء


| | | | |
|---|---|---|---|
| 1 | قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات | (75-72:02) | 3 |
| 2 | بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات | | 5 |
| 3 | حرفِ آرزو | انجینئر مختار فاروقی | 6 |
| 4 | ڈارون کا نظریۂ ارتقاء: ایک خطرناک دھوکہ(3) | ڈاکٹر محمد سرشار خان | 9 |
| 5 | مدرسہ ڈسکورسز کے حامی.....تجدد کو فروغ..... | ڈاکٹر محمد امین | 16 |
| 6 | ترکی خلافت عثمانیہ کی راہ پر | مولانا محمد نفیس خان ندوی | 25 |
| 7 | سرکاری سکولوں کے تعلیمی نصاب کا ''ارتقاء'' | بنت وقار الحسن ہمدانی | 38 |
| 8 | معاشرتی اخلاقی برائیاں اور ان کا علاج | محمد منظور انور | 43 |
| 9 | تبصرہ وتعارف کتب | | 48 |
| 10 | خصوصی اشاعت پر اہل علم کے تاثرات | | 52 |
| 11 | آئینۂ حکمت بالغہ 2019ء | | 62 |


**بقیہ از** ڈارون کا نظریۂ ارتقاء: ایک خطرناک دھوکہ

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ O (171:02) وَّ نِدَآءً ۚ دُعَآءً

''کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو (چرواہے کی) صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں)۔ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں، انہیں عقل نہیں''۔

کفار سے تو ہمارا گلہ بنتا ہی نہیں، لیکن ہمارے اپنے تعلیمی اداروں میں ڈارون کے نظریے کو پڑھایا یعنی تسلیم کیا جا رہا ہے لیکن اس کے ردّ یا اِبطال کے لیے طلبہ کو کچھ نہیں بتایا جاتا۔ کیا ہم نادانستہ طور پر اسلامی معاشرے میں ملحدانہ سوچ کو فروغ نہیں دے رہے؟ کیا یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ نہیں؟ (تمام شد)

فرمودۂ اقبال

# گدائی

رشوت خوری اور سرکاری فنڈز کی خورد بُرد

میکدے میں ایک دن اک رندِ زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا!
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اُسے؟
کس کی عُریانی نے بخشی ہے اسے زرّیں قبا؟
اس کے آبِ لالہ گوں کی خونِ دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے؟ مردِ غریب و بے نوا!
مانگنے والا گدا ہے! صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطاں سب گدا!

(ماخوذ از انوری)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

ماہنامہ

# حکمتِ بالغہ

جھنگ

## اشاعت کے 13 سال 13 خصوصی اشاعتیں

| | | صفحات | قیمت |
|---|---|---|---|
| 2007ء | حقیقت انسان نمبر | 96 | 50/- |
| 2008ء | حقیقت علم نمبر | 96 | 50/- |
| 2009ء | احیاءالعلوم نمبر | 96 | 60/- |
| 2010ء | دوقومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظامِ تعلیم نمبر | 128 | 70/- |
| 2011ء | حقوقِ نسواں نمبر | 112 | 70/- |
| 2012ء | یاجوج ماجوج نمبر | 152 | 120/- |
| 2013ء | الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ | 160 | 135/- |
| 2014ء | جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش..... | 168 | 150/- |
| 2015ء | حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے | 248 | 220/- |
| 2016ء | اِحیائے فکرِ اقبال نمبر | 224 | 220/- |
| 2017ء | بادشاہ، پرنس اور ارب پتی یا درویش حکمران | 280 | 300/- |
| 2018ء | وسائل رزق پر قبضہ، ارتکاز دولت .....اور ..... | 304 | 350/- |
| 2019ء | ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی | 336 | 400/- |

خود مطالعہ کریں ـــــ دوستوں کو تحفہ دیں ـــــ محدود تعداد میں دستیاب ہیں

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ
047-7630861
0336-6778561

Vol 13
CPL No: FD 30/07
HIKMAT-E-BAALGHA
DECEMBER 2019
No 12

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

ماہنامہ

# حکمتِ بالغہ

جھنگ

کی

سال 2019ء کی

## خصوصی اشاعت

بعنوان

# ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی

شائع ہوگئی ہے

علامہ اقبال علیہ الرحمہ عصرِ حاضر میں دبستانِ علی گڑھ کو قرآن مجید سے متعارف کرانے کی وجہ سے مجدّد کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ انقلاب اسلامی یعنی نظامِ خلافت کے سب سے بڑے اور اوّلین داعی اور مفکّرِ پاکستان بھی ہیں۔ آپ کے ثناخوانوں میں

ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ

(1904ء-1969ء)

اقبال شناسی کا مینار ہیں

صفحات: 336

قیمت: 400 روپے

انجینئر مختار فاروقی

مدیر ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ
047-7630861
0336-6778561